مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز
اصلاحی و تبلیغی تقاریر کا مجموعہ

ناشر الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی، لکھنؤ

مولانا محمد منظور نعمانی کی

منتخب تقریریں

(۱۱)

مختلف مقامات و مواقع پر کی گئیں
مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز، اصلاحی و
تبلیغی تقاریر کا مجموعہ
مولانا موصوف کی نظر ثانی کے بعد

مرتبہ

محمد حسان نعمانی

قیمت: ۶ روپے

شائع کردہ کتب خانہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

پیش نظر کتاب حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی چند منتخب تقریروں کا مجموعہ ہے جو مختلف مقامات اور مواقع پر کی گئی تھیں اور اب تک الفرقان کی فائلوں میں دبی پڑی تھیں، بہت سے مخلص و کرم فرما حضرات جن کی نظر سے کبھی یہ تقریریں گزری تھیں اور انھوں نے ان کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑا تھا، مُصر تھے کہ مولانا کی یہ تقاریر ایک مجموعہ میں جمع کر دی جائیں، چنانچہ ہم نے یہ تقریریں نظر ثانی کے لیے مولانا کی خدمت میں پیش کر دیں۔ مولانا نے اپنی شدید مصروفیت کے باوجود جملہ تقاریر پر نظر ثانی اور ضروری حذف و ترمیم بھی کی جس سے برجستہ تقریریں کافی حد تک منقح و مرتب بھی ہو گئیں ـــــ ہمیں یقین ہے کہ محترم ناظرین ہماری اس خدمت کو بہت پسند فرمائیں گے، اور یہ محسوس کریں گے کہ اس وقت تقریروں کا یہ مجموعہ پیش کر کے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔

اپنی نااہلی کے تمام تر اعتراف کے ساتھ، کتب خانہ کے ناظم یا کتاب کے مرتب کی حیثیت سے اس کتاب کے متعلق کچھ عرض کرتے ہوئے قدرتی طور پر مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے ـــــ سب سے پہلے میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اپنے عاجز و لاچار، اور ضعیف و مسکین بندوں کو طرح طرح کے انعامات سے نوازتا ہے اور اُن کی حقیر کاوشوں کو شرف قبول بخشتا ہے۔ اور بلاشبہ جس کے خاص فضل و کرم سے آج ہمیں زیر نظر کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں حضرت مولانا مدظلہ کی گیارہ تقریروں کو جمع کیا گیا ہو جو مختلف مقامات و مواقع اور مختلف موضوعات پر کی گئی تھیں۔ تقریروں کے عنوانات سے ان کی افادیت اور جامعیت کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں مختصراً ان کا تعارفی خاکہ پیش کر دیا جائے۔

پہلی تقریر کا عنوان ہے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کا اسوۂ حسنہ" مولانا نے اس تقریر میں جو بلاشبہ انتہائی مدلل اور جامع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک، آپ کی مقدس تعلیمات، اور آپ کی حیاتِ مبارکہ کے بعض خاص اور اہم شعبوں پر بے حد موثر انداز میں روشنی ڈالی ہے اور ساتھ ہی آج کل رائج سیرۃ النبیؐ کے جلسوں، جلوسوں اور میلاد وغیرہ کی تقریبات کے بارے میں بہت صفائی اور صراحت کے ساتھ صحیح موقف کا اظہار کیا ہے۔

دوسری تقریر میں مولانا نے دلی کرب اور رنج کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا ہو کہ اُمتِ مسلمہ کی موجودہ زندگی اُس طرزِ زندگی سے مطابقت نہیں رکھتی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تھے۔ مولانا نے بجا طور پر اس کو بے حد افسوسناک سانحہ اور سب سے زیادہ فکر و توجہ کے قابل مسئلہ قرار دیا ہے۔ مولانا کی یہ تقریر ہماری موجودہ حالت کو بدلنے میں بڑی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

تیسری تقریر میں مولانا نے مسلمانوں کی موجودہ زندگی، اُن کے اخلاق و عادات، اور اُن کے عام طرزِ عمل کو خود اسلام اور مسلمانوں کے لیے بے حد مضرت رساں قرار دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دشمنانِ اسلام، اسلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو پروپیگنڈا کرتے ہیں، جو الزامات لگاتے ہیں اس کا علم غیر مسلموں میں ایک محدود حلقہ کو ہی ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی موجودہ زندگی اسلام کے خلاف ایسی کھلی کتاب اور ایسا جلی پوسٹر ہے جس کو ہر غیر مسلم، ہر جگہ اور ہر وقت پڑھتا ہے — مولانا نے اپنی اس تقریر میں

اس بے حد افسوسناک صورت حال کو فوراً بدلنے پر زور دیا اور ساتھ ہی اس کا ایک مختصر اور قابلِ عمل طریقۂ کار بھی بتایا ہے۔

چوتھی تقریر میں مولانا نے دنیا و آخرت کے بارے میں ہمارے غلط رویہ کی منظر کشی اور وضاحت کے بعد اس کی اصلاح پر زور دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دُنیا والا یقین ہمارے آخرت والے یقین پر غالب آگیا ہے اسی لیے ہماری زندگی میں یہ افسوسناک تضاد پیدا ہوگیا ہے کہ ہم عقیدہ کے لحاظ سے تو مسلمان ہیں لیکن ہماری عملی زندگی یکسر غیر اسلامی ہے ـــــ مولانا نے اس تقریر میں وہ طریقہ بہت وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے جس پر عمل کر کے ہم اپنی زندگی کے اس تضاد کو دور کر سکتے ہیں۔

پانچویں تقریر کا عنوان ہے "شریعت پر استقامت" اس تقریر میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں صفتِ رحمت بھی انتہائی درجہ کی ہے اور صفتِ قہر بھی، اور اس درجہ سے آگے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان صفات کا دوسری بہت سی صفات کی طرح پورا پورا ظہور عالمِ آخرت میں ہوگا، ہماری یہ دُنیا نہ صفتِ رحمت کے کامل ظہور کی متحمل ہو سکتی ہے، اور نہ صفتِ قہر و جلال کے کامل ظہور کی ـــــ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انبیاء کرام علیہم السلام وہ طریقہ لے کر آئے جس پر چل کر بندہ اللہ کے قہر و جلال اور اُسکے عذاب سے بالکل محفوظ رہ کر اس کے لطف و کرم کا مستحق بنے۔ اسی طریقہ کا نام "شریعت" ہے۔ ـــــ بلاشبہ بندوں کی کامیابی اور اُن کی نجات کا دار و مدار بس اس پر ہے کہ وہ استقامت کے ساتھ شریعت پر عمل کرتے رہیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوں۔ ایسے بندوں کے لیے قرآنِ مجید میں جا بجا بشارتیں ہیں ـــــ مولانا نے اس تقریر میں وہ بنیادی باتیں نمبر وار بیان فرمائی ہیں جن پر عمل کرنا مقامِ ولایت حاصل کرنے کیلئے بھی انشاءاللہ بالکل کافی ہے ـــــ عہدِ حاضر کے بعض اکابر نے اس تقریر کو پڑھ کر یہ تاثر ظاہر کیا تھا کہ اللہ اور آخرت کے سچے طالبوں کے لیے بس یہی تقریر کافی ہے۔

چھٹی تقریر کا موضوع جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے، ماہِ رمضان ہے۔
مولانا فرماتے ہیں کہ ہم اپنی غیر ایمانی زندگی اور حقیقتِ ایمان سے دوری کی وجہ سے رمضان اور غیر رمضان کا فرق محسوس نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپ ہمہ تن شوق ہو کر، بے چینی اور اضطراب کے ساتھ اس مبارک مہینہ کا انتظار کیا کرتے تھے، اور جب رمضان آتا تو گویا آپ کی طبیعتِ مبارکہ کے لیے موسمِ بہار آ جاتا ــــ مولانا نے اس تقریر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تفصیل کے ساتھ ذکر کیے ہیں، اور اس کی روشنی میں بتایا ہے کہ ہمیں رمضان کس طرح گزارنا چاہیے۔

اس کے بعد تین تقریریں عیدین کے موقع کی ہیں۔ تینوں کے مضامین جدا جدا ہیں، اور ان کی اہمیت ہی کے پیشِ نظر اس مجموعہ میں انھیں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا، قارئین کو معلوم ہوگا کہ آج کل عید کے موقع پر عام طور پر مقررین عید یا قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہیں، لیکن یہاں مولانا نے وقت کی ضرورت اور تقاضے کو محسوس کرتے ہوئے دین کی کچھ اور اہم اور بنیادی باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور مسلمانوں، خصوصاً نوجوان طبقہ کو حقیقی اور واقعی اسلام کی طرف دعوت دی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر میں اس موقع پر عید یا قربانی کا فلسفہ اور اُن کی تاریخ بیان کروں تو میری مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کے پاس کوئی بھوکا ننگا سائل آئے اور وہ اس کے لباس اور کھانے پینے کی فکر کرنے کے بجائے اُس کو عطر پیش کرے۔

دسویں تقریر کا عنوان ہے "میری طالب علمی" یہ تقریر دارالعلوم دیوبند میں کی گئی تھی۔ مولانا نے اس تقریر میں طلبۂ دارالعلوم کو اپنے زمانۂ طالب علمی کے کچھ واقعات و تجربات سنائے ہیں جو دینی طلبہ کے لیے بہت کارآمد اور سبق آموز ہیں۔

گیارھویں اور آخری تقریر کے مخاطب بھی طلبہ ہی ہیں۔ یہ تقریر دینی مدارس کے طلبہ کیلئے ایک جامع پیغام ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی طلبہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے وارث اور نائب بننے والے ہیں اور اس حیثیت سے ان پر بڑی اہم ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کچھ خصوصی اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے، مولانا نے ان اوصاف کو بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے مولانا فرماتے ہیں۔ "میرے عزیزو! تم سب کچھ بن سکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ سے وہ سب کچھ لے سکتے ہو جو اُس نے ہمارے اکابر و اسلاف کو عطا فرمایا تھا، مگر اس کی بھی کچھ شرائط ہیں جن پر عمل ضروری بھی ہے اور آسان بھی۔ آگے چل کر مولانا نے یہ شرائط بیان فرمائے ہیں۔

مندرجۂ بالا سطروں میں میں نے مولانا کی تقریروں کا تعارفی خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انشاء اللہ اس سے ہر تقریر کی اہمیت اور اس کے موضوع کو سمجھنا آسان ہوگا۔

مولانا کی تقریروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں کہیں بھی الجھاؤ، تصنع اور لفاظی نہیں معلوم ہوتی، ہر جگہ طرز بیان انتہائی سادہ اور فطری ہے۔ مولانا کے ہر ہر جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل اُمّتِ مسلمہ کی موجودہ حالت کی اصلاح کے لیے بے چین ہو۔ ان کی روح بے قرار ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی زندگیاں خالص اسلامی ہو جائیں اور ان کی رسمی عبادات میں حقیقت اور جان پیدا ہو جائے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے، اور ہم کو اور اُمّتِ مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ ان کے فیوض سے استفادہ کا موقع ملے۔

بڑی ناقدری و ناشکری ہو گی اگر میں یہاں اُن مخلص احباب کا شکریہ ادا نہ کروں جنھوں نے بڑی محنت اور جستجو سے ان تقریروں کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلمبند کیا اور مرتب

کر کے ہمارے سپرد کر دیا۔ راقم ان سب مخلصوں کا شکر گزار ہے۔ جنھوں نے اس کار خیر کے سلسلہ میں خصوصی دلچسپی لی، جن میں خصوصیت کے ساتھ برادر عزیز مولوی خلیل الرحمن سجاد ندوی کا نام قابلِ ذکر ہے۔

آخر میں میں محترم قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی دعاؤں میں حضرت مولانا مدظلہ اور راقم سطور کو بھی شامل کر لیں، ساتھ ہی ان سے مکمل تعاون کا بھی طالب و خواستگار ہوں ——— واللہ الموفق وھو المستعان ـــ

محمد حسّان نعمانی

ناظم کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

یکم ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ م ۸ دسمبر ۱۹۷۲ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم

اور

آپؐ کا اسوۂ حسنہ

[یہ تقریر ۱۳۴۹ھ میں حیدر آباد کے ایک جلسۂ سیرت میں کی گئی تھی جس میں مسلمانوں کے علاوہ تعلیم یافتہ غیر مسلم حضرات بھی شریک تھے]

حمد خطبۂ مسنونہ!

سیرۃ النبی کے ہنگامی جلسے

حضرات! پچھلے چند برسوں میں ہمارے ملک میں میلاد النبی اور سیرت النبی کے نام سے اس قسم کے جلسوں کا رواج بہت بڑھ گیا ہے۔ میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے آپ سب حضرات پر یہ بات واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اس قسم کے جلسوں کی افادیت کا قائل نہیں ہوں بلکہ ان کو امت کے زوال و انحطاط کی علامت سمجھتا ہوں اور یہ کوئی گہرا اور باریک علمی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ بہت موٹی سی بات ہے جس کو اگر سمجھنا چاہیں تو آپ بھی میری طرح آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی امتوں کے دو دور ہوتے ہیں۔ ایک وہ جبکہ وہ ان کے راستے پر چلتی ہیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ اس وقت ان کو اس کی بالکل ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ مصنوعی اور بناوٹی طریقوں سے اپنے اس نبی اور ہادی کے ساتھ اپنی عقیدت اور اپنا تعلق ظاہر کریں۔ کیونکہ اس دور میں ان کا ہر عمل بلکہ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور سونا جاگنا اس تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔

دوسرا دور ان امتوں اور قوموں کا وہ ہوتا ہے جب کہ یہ اپنے ہادی اور پیغمبر کے طریقے پر چلنا چھوڑ دیتی ہیں اور اس کی تعلیم و ہدایت کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگتی ہیں۔ مگر اس حالت میں بھی اس نبی اور ہادی کے ساتھ ان کا اعتقادی اور جذباتی تعلق باقی رہتا ہے۔ اس دور میں وہ اس کی ضرورت محسوس کرتی ہیں کہ اپنے اس جذباتی

اعتقادی تعلق کا کسی طرح مظاہرہ کریں۔ اس کے لئے سب سے آسان راستہ ان کے نزدیک یہی ہوتا ہے کہ خاص خاص دنوں میں وہ ان کی یاد منائیں جلسے کریں ان کے فضائل و مناقب اور کارنامے بیان کریں اور نظم و نثر میں گویا ان کو خراج تحسین ادا کریں ــــ آپ سب بھائی میری صاف گوئی معاف کریں میرے نزدیک ہمارے ان سیرتی اور میلادی جلسوں اور جلوسوں کی اصل حیثیت بس یہی ہے۔

اس وقت ہم مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی گزارنے کے بارے میں جو احکام اور قوانین ہمارے لئے لائے تھے جو قرآن و حدیث میں آج بھی جوں کے توں محفوظ ہیں۔ ان کی پیروی اور پابندی تو ہم کرتے نہیں یعنی آپ کی بات ماننے اور آپ کی ہدایت پر چلنے کے لئے تو ہم تیار نہیں لیکن آپ کے ساتھ جو جذباتی اور اعتقادی تعلق باقی ہے اس کے مظاہرہ کے لئے ہم نے یہ جلسے اور جلوس ایجاد کر لئے ہیں۔ اس میں تفریح بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے تعلق کا ایک سستا اور دل خوش کن مظاہرہ بھی ہے۔ گویا اس وقت ہم مسلمانوں کی پوزیشن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ تعلیم اور آپ کی مقدس روح ہم کو پکار رہی ہے کہ اے میرا نام لینے والو! مجھ سے تعلق اور محبت کا دعویٰ کرنے والو! نماز پڑھو، اللہ کے عبادت گذار بنو، معاملات میں سچے اور دیانت دار بنو، ہر قسم کے فسق و فجور اور فواحش و منکرات سے بچو، اور پرہیزگار بنو ــــ لیکن ہم مسلمانوں کا جواب اپنے طرز عمل اور اپنے حال سے یہ ہے کہ حضور یہ سب تو بہت مشکل ہے ہاں ہم آپ کے یوم ولادت کا جشن منائیں گے۔ شاندار جلسے کریں گے، لمبی لمبی میل بھر کے جلوس نکالیں گے اور آپ کے پاک نام کے خوب زور و شور سے نعرے لگائیں گے۔ اور عیسائیوں ہندوؤں وغیرہ دنیا کی ساری قوموں کو اس میدان میں مات دے دیں گے ــ میں خوب سمجھتا ہوں کہ میری اس بات پر آپ میں سے بہت سے بھائیوں کو سخت غصہ آیا ہوگا۔ لیکن خدا کے لئے

سوچیے کہ ہماری موجودہ زندگی کے ساتھ ہمارے یہ جلسے اور مظاہرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے صحیح ایمانی تعلق کی نشانی ہیں یا ان کے ذریعہ ہم دنیا کو اور خود اپنے نفسوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔

آپ میں سے جو پڑھے لکھے بھائی اپنی تاریخ کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہوں گے وہ اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ جب تک مسلمان اپنی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے پابند تھے، اور سچے مسلمانوں کی طرح آپ کے طریقہ پر چلتے تھے، انھوں نے کبھی اس قسم کے شاندار جلسوں اور جلوسوں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا تعلق، انہی کے عمل اور ان کی زندگی سے ظاہر ہوتا تھا۔ اور اس وقت دنیا ان کو دیکھ کر اور پرکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھیک ٹھیک پہچانتی تھی۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ عمل اور زندگی کے بجائے بس زبانی جمع خرچ سے اپنی اسلامیت کا ثبوت دیں اور اسلام کے ہواخواہوں میں اپنے نام لکھوائیں۔

میرے محترم بزرگو اور بھائیو! میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پوری صفائی سے یہ بات آپ کے سامنے کہہ دوں کہ اللہ کے نزدیک اور دنیا والوں کے نزدیک بھی اصل چیز عمل اور زندگی ہے اور ہمارا آپ کا یہ زبانی جمع خرچ، یہ جلسے جلوس اپنے اندر کوئی قیمت اور کوئی تاثیر اور افادیت نہیں رکھتے، اور یہ کسی طرح بھی ہماری گنہگارانہ زندگی کا کفارہ نہیں بن سکتے —— یہ بھی سراسر دھوکا ہے کہ ان طریقوں سے ہم دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف کرا سکتے ہیں۔ —— آپ کے صحیح تعارف کی صورت صرف یہ ہے کہ آپ کے نام لیوا آپ کے طریقہ پر چل کر اور آپ کی تعلیم اور ہدایات کے مطابق ایمانداری اور راستبازی، عبادت گذاری اور پاکبازی کی زندگی کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئیں اور دکھائیں کہ ہمارے ہادی برحق

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پاک اور حسین زندگی کا پیغام لے کر آئے تھے ـــ میرے بھائیو! عمل اور زندگی کے بغیر زبان اور قلم کی ہماری یہ ساری شعبدہ بازی اور سارے مظاہرے بالکل بے اثر ہیں۔

میری یہ بات آپ میں سے بہت سوں کو یقیناً ناگوار بھی ہوئی ہو گی، لیکن میں اس پر کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر اور اپنی ذمہ داری محسوس کر کے یہ بات کہی ہے، اگر میں یہ بات نہ کہتا تو خیانت کا مجرم ہوتا ـــ خدا کرے آپ حضرات میری اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ اور اس سے فائدہ اٹھائیں

آمدم برسر مطلب ـ اب میں اس موضوع پر کچھ کہنا چاہتا ہوں جو دراصل آپ کے اس جلسے کا موضوع ہے اور جس پر سننے کے آپ منتظر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے، کچھ کام کی باتیں عرض کر سکوں۔

اس وقت کے مجمع کی خاص نوعیت کے لحاظ سے میں یہ زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح پر کوئی مسلسل اور مرتب تقریر کرنے کے بجائے آپ کی تعلیم اور زندگی کے بعض خاص اور اہم شعبوں سے متعلق کچھ متفرق باتیں عرض کروں، گویا اس وقت کی میری تقریر کی حیثیت ایک مسلسل اور مرتب مضمون کی نہیں ہو گی بلکہ "شذرات" کی سی ہو گی ـــ مجھے امید ہے کہ اگر آپ حضرات میری ان باتوں کو غور سے سنیں گے تو فائدہ اٹھا سکیں گے

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور ہدایت کے دو حصے

حضرات! کسی نبی اور ہادی کی زندگی میں سب سے اہم چیز اس کی تعلیم اور ہدایت ہوتی ہے، اس لئے میں سب سے پہلے آپ کی تعلیم اور ہدایت ہی کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں:

آپ کی تعلیم کو اصولی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق اللہ سے یعنی ہمارے آپ کے خالق سے ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق اللہ کے بندوں اور اس کی عام مخلوق سے ہے۔

حضرات! اللہ تعالیٰ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اللہ کے دوسرے نبیوں رسولوں نے جو کچھ دنیا کو بتلایا ہے اس میں توحید کا مسئلہ سب سے اہم ہے اور جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کا تعلق انسان کی زندگی سے بہت گہرا ہے اس لئے میں سب سے پہلے اسی مسئلہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

توحید خداوندی کے بارے میں آپ کی تعلیم اور اس کا امتیاز

اتنی بات تو غالباً آپ سب ہی حضرات جانتے ہوں گے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم یہ کہہ کر ختم نہیں کر دی ہے کہ خدا ایک ہے یا اس کائنات کا پیدا کرنے والا بس ایک ہی۔ بلکہ آپ نے بتایا کہ سب کا پالنے والا اور سب کے لئے روزی اور زندگی کی دوسری ضروریات مہیا کرنے والا بھی وہی ایک ہے، ہر ایک کا اور ہر قسم کا بناؤ بگاڑ، نفع نقصان تندرستی اور بیماری، موت اور حیات سب اسی کے قبضہ میں ہے اس کے سوا کسی کے قبضہ و اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور صرف وہی ایک ایسا ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہے۔ کائنات کے اس سارے کارخانے کو وہ اکیلا ہی چلا رہا ہے۔ زمین و آسمان پر صرف اسی کی فرمانروائی ہے اور صرف اسی کا حکم چلتا ہے، وہ اپنی ذات میں یکتا وحدہ لاشریک ہے، اپنی صفات میں بھی وحدہ لاشریک ہے، اپنے افعال میں بھی وحدہ لاشریک ہے۔ لہٰذا عبادت اور بندگی بھی صرف اسی کا حق ہے اور جو لوگ عبادت اور بندگی میں یا اُسکی صفات اُسکے افعال میں کسی اور کی بھی شرکت مانتے ہیں۔ وہ بڑے ظالم اور بڑے پاپی ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اس کے در کو چھوڑ کے کسی اور در کے بھکاری بنتے ہیں۔ اور اپنی حاجتوں اور

ضرورتوں میں کسی اور سے دعائیں کرتے ہیں، وہ بڑے گمراہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم اتنی مشہور و معروف ہے کہ مسلمان تو مسلمان میرا خیال ہے کہ جن غیر مسلم حضرات کو آپ کی تعلیم کے بارے میں کچھ بھی واقفیت ہے، وہ بھی اتنی بات ضرور جانتے ہوں گے کہ آپ نے خدا کی توحید کے بارے میں یہ سب کچھ بتایا ہے، اس لئے میں اس سلسلے میں کچھ زیادہ تفصیل سے عرض کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ہاں مسئلہ توحید کے ایک خاص گوشہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کو آپ غور اور توجہ سے سنیں۔

توحید کی راہ میں سب سے بڑا خطرہ پیغمبر پرستی اور اس کا سدباب

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ پیغمبروں کی امتوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کے بارہ میں غلو میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو جائیں اور اس کو خدائی اختیارات کا مالک اور خداوندی صفات میں شریک ماننے لگیں۔ میرے نزدیک یہ بات تو عقل سے بہت بعید ہے کہ خدا اسی کچھ بوجھ رکھنے والا کوئی آدمی پتھر کے بتوں کو یا زمین سے اگنے والے درختوں یا زمین میں بہنے والے دریاؤں کو پوجنے لگے یا گائے، بیل، بندر، لنگور جیسے کسی جانور کی پرستش کرنے لگے۔ لیکن یہ بات کچھ زیادہ مستبعد نہیں ہے کہ اللہ کے کسی پیغمبر کے معجزات اور اس کے دوسرے محیر العقول کمالات دیکھ کر اس کے امتی اس پیغمبر ہی کے بارے میں گمراہ ہو جائیں اور اس کو خدا کی صفات میں شریک اور خدائی اختیارات کا مالک سمجھنے لگیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کی مثال ہمارے سامنے ہے ـــــ ہمارے ہادی برحق اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کی بندش کے لئے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا اور اپنے بندہ ہونے کو جس جس طرح سے ظاہر کیا، میرے نزدیک توحید کے سلسلے میں وہ ایسی خاص الخاص چیز ہے جس کا حق ہے کہ اس کو جانا جائے اس کو یاد رکھا جائے، اس پر غور کیا جائے اور اس سے آپ کی صداقت اور آپ کے کمال کو

سمجھا جائے۔۔۔۔ میں اس بحث میں اسی سلسلے کے آپ کے چند ارشادات آپ حضرات کو سنانا چاہتا ہوں۔ ہمارے جو غیر مسلم بھائی اس وقت تشریف فرما ہیں۔ ان سے گزارش کروں گا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے اس گوشہ پر خاص طور سے غور فرمائیں۔

اپنی امت کو آپ کی ایک یادگار تنبیہ

ایک موقع پر ارشاد فرمایا اور امت کو تنبیہ کی

لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ؛

(یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ کی امت نے ان کو حد سے بڑھا کر خدا کا بیٹا اور خدائی کا شریک بنایا، تم اس طرح مجھے حد سے نہ بڑھانا، میری حیثیت بس یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں لہذا مجھے بندہ اور پیغمبر ہی کہو اور بندہ اور پیغمبر ہی کہو)

ایک دفعہ آپ کے سامنے آپ کے ایک صحابی کی زبان سے نکلا کہ "اگر اللہ نے چاہا اور آپ نے چاہا تو یہ کام ہو جائے گا" آپ نے برہم ہو کر ان صحابی سے فرمایا۔

مَجَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا قُلْ مَا شَاءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ؛

(یعنی تم نے مجھے خدا کے برابر کر دیا، یوں کہو جو تنہا خدا چاہے گا وہ ہوگا)

۔گویا آپ نے ان صحابی کو بتایا کہ اس کائنات پر میری فرماں روائی نہیں ہے کہ جو میں چاہوں وہ ہو جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرماں روائی ہے اور صرف اسی کی یہ شان ہے کہ جو وہ چاہے اور جس چیز کا حکم دے وہ ہو جائے:

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ؛

اس سلسلے میں ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے

صاحبزادہ کے انتقال کے دن سورج گہن کے بارے میں آپ کا یادگار خطبہ | رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا، قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا، اتفاق سے اسی دن سورج کو گہن لگا، آپ کو خیال ہوا کہ شاید کسی کو یہ غلط فہمی ہو کہ میرے گھر کی اس غمی اور اس حادثہ کی وجہ سے یہ گہن لگا ہے۔[1] آپ نے فوراً اعلان کے ذریعہ لوگوں کو مسجد میں جمع کرایا ان کے سامنے خطبہ دیا جس کے الفاظ آج تک حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا ——— أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَالِكَ فَافْزَعُوا إِلَى الصَّلٰوةِ: (یعنی آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ چاند سورج اللہ کی مخلوق اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا اور ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لہٰذا جب کبھی تم دیکھو کہ ان کو گہن لگا تو سمجھو کہ اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ایسا ہوا اور جلدی سے اس کی عبادت اور نماز میں لگ جاؤ اور اس کے قہر و غضب سے پناہ مانگو)

اس واقعہ سے اس بات کا پورا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کو اپنے بارے میں غلو کی گمراہی کی کتنی فکر تھی۔ اور آپ نے اس خطرے کی کیسی پیش بندی کی ہے اور توحید کو کس قدر مستحکم اور محفوظ کیا ہے۔

ایک آخری بات اس سلسلے کی اور سنیئے:

آخری وقت کی ایک دُعا اور وصیت

جب آپ آخری مرض میں مبتلا ہوئے اور اس دنیا سے رخصتی کا وقت قریب آیا تو آپ کو اس کی فکر اور زیادہ ہوئی چنانچہ انھیں دنوں میں آپ نے گمراہ ہو جانے والی بعض اگلی امتوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ان امتوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ اور اس مشرکانہ عمل کی وجہ سے ان پر خدائی لعنت ہوئی، خبردار، خبردار تم ہرگز ایسا نہ کرنا۔ اسی کے

---

[1] عربوں میں یہ بات مشہور تھی کہ چاند اور سورج کو گہن جبھی لگتا ہے جب کسی بڑی ہستی کا انتقال ہو جائے یا ایسا ہی کوئی حادثہ ہو جائے

ساتھ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ (اے میرے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا سے میرے جانے کے بعد میری قبر بت بنالی جائے اور اس کی پوجا کی جائے)۔

اپنے طرز عمل سے عبدیت اور بندگی کا مظاہرہ

ایک طرف تو آپ نے اُمت کو شرک کے اس خاص خطرے سے بچانے کے لئے یہ واضح ہدایتیں دیں اور دوسری طرف اپنے طرز عمل سے بھی انھیں یہ بتایا اور سکھایا کہ معبود اور مالک اور فرمانروا اور کارساز صرف اللہ ہی ہے اور میں بھی اس کا ایک محتاج بندہ ہوں اور اپنی ضرورتیں اسی سے مانگتا ہوں اور اسی کے در کا ایک بھکاری ہوں صحابہ کرام خود بھی اس کے راوی ہیں کہ جب کوئی اہم پیش آتی اور کوئی فکر آپ کو ہوتی تو آپ دعا اور نماز میں مشغول ہوجاتے اللہ کے حضور میں سر رکھ کے پڑ جاتے حضور کی جو سیکڑوں دعائیں حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں اُن میں سے ہر دعا آپ کی عبدیت اور بندگی کا ایسا مظاہرہ اور ایسا اعلانیہ ہے جس کے بعد کسی شخص کے لئے اس بارے میں کسی اشتباہ کسی غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

آپ کی ایک دعا کے تمہیدی الفاظ سنیے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ اَمَتِکَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِکَ مَاضٍ فِیَّ حُکْمُکَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاؤُکَ اَسْاَلُکَ بِاسْمِکَ الخ (اے میرے اللہ میں آپ کا ایک بندہ ہوں، میرا باپ بھی آپ کا بندہ تھا، میری ماں بھی آپ کی ایک بندی تھی۔ (یعنی میں پشتینی بندہ ہوں، غلام ابن غلام ہوں) میری پیشانی آپ کے قبضے میں ہے (یعنی میں بالکل آپ کے بس میں ہوں اور آپ کا تابع فرمان ہوں) آپ کا جو حکم میرے بارے میں ہوگا وہ نافذ ہوگا، آپ کا جو بھی فیصلہ میرے لئے ہوگا وہ سراسر انصاف ہوگا میں آپ سے آپ کے ہی پاک نام پر یہ مانگتا ہوں) الخ

بعض صحابہ کرام نے آپ کے آخری حج کی عرفات کے میدان کی ایک دعا نقل کی ہے جو حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ سنئے اس میں آپ کے الفاظ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِیْ اَسْاَلُکَ مَسْاَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ ابْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ لَکَ عَبْرَتُہٗ وَذَلَّ لَکَ جِسْمُہٗ وَرَغِمَ لَکَ اَنْفُہٗ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا وَّکُنْ بِیْ رَءُوْفًا رَّحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ ۰

اے میرے اللہ تو میری بات سنتا ہے اور میرا مقام تیری نگاہ میں ہے اور میرے ظاہر و باطن کا تجھ کو پورا علم ہے اور میری کوئی بات بھی تجھ سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور میں ایک دکھی فقیر ہوں، فریادی ہوں، پناہ کا متلاشی ہوں، لرزاں و ترساں ہوں، اپنے قصور کا اقراری ہوں، میں آپ سے ایک عاجز مسکین کی طرح بھیک مانگتا ہوں اور ایک ذلیل خطاکار کی طرح گڑگڑاتا ہوں اور ایک خوف زدہ دکھیارے کی طرح آپ سے دعا کرتا ہوں اور اس بندہ کی طرح دعا کرتا ہوں جس کی گردن آپ کے سامنے جھکی ہو جس کے آنسو آپ کے حضور میں بہہ رہے ہوں اور آپ کے لئے وہ فروتنی کر رہا ہو اور ناک رگڑ رہا ہو۔ اے میرے اللہ مجھے ایسا نہ کر کہ میں آپ سے دعا کر کے بے نصیب رہوں، مجھ پر مہربانی فرما، رحمت فرما اے سب سے اچھے مسئول اے سب سے اچھے داتا!

حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کا دنیا کو پیغام دیا اور شرک کے راستوں کو جس طرح بند کیا اس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے بس آپ کی یہ دعائیں اور آپ کے وہ ارشادات کافی ہیں۔ جو ابھی میں نے آپ کے سامنے ذکر کئے۔ یہ تو آپ کی اس تعلیم کا ایک

نمونہ ہوا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے متعلق دی ہے۔ اس کے بعد صرف نمونے ہی کے طور پر آپ کے بعض وہ ارشادات بھی سن لیجئے جن میں آپ نے بندوں کے اور مخلوق کے بارے میں امت کو ہدایات دی ہیں۔

عام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں آپ کی تعلیم و ہدایت

آپ نے ماں باپ، اولاد، بہن بھائی اور عزیزوں قریبوں کے متعلق حسن سلوک اور ادائے حقوق کی جو سخت تاکید یں فرمائی ہیں میں اس وقت ان کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ ہمدردی اور ان کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں آپ کے چند ارشادات سناتا ہوں

ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا۔

اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ اَنْفَعُھُمْ لِعِیَالِہٖ

اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم

(یعنی ساری مخلوق اللہ کی عیال اور اس کا کنبہ ہے اس لئے اللہ کو اپنے بندوں میں وہ بندہ زیادہ پیارا ہے جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہونچائے)

ایک اور حدیث میں ہے آپ نے اپنے امتیوں کو ہدایت فرمائی

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ (یعنی تم زمین میں والی اللہ کی مخلوق پر رحم کرو، آسمان والا شہنشاہ تم پر رحمت کرے گا)

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ (یعنی جو دوسرے پر رحم نہیں کھائے گا وہ خدا کی رحمت سے محروم رہے گا۔

کمزور طبقوں، یتیموں، بیوہ اور مسکینوں کی خدمت و خبر گیری کی ہدایت

بعض حدیثوں میں آپ نے خاص طور سے کمزور اور پسماندہ طبقوں کی خبر گیری اور خدمت کی ہدایت و تلقین فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَۃِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

(یعنی کسی حاجت مند مسکین اور کسی بے چاری بے سہارا اور لاوارث عورت کے کاموں میں

دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ اجر و ثواب میں خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے بندہ کے برابر ہے

ایسے ہی یتیموں کی کفالت اور پرورش کی ترغیب دیتے ہوئے آپ نے ایک موقع پر فرمایا: "اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ اَوْ کَمَا قَالَ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی یتیم بچہ کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے کر اس کی کفالت اور پرورش کرنے والا بندہ جنت میں بالکل میرے ساتھ ہو گا)

اور یہ عام مخلوق اور خاص طور سے کمزور طبقوں کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کے بارے میں آپ کی تعلیم تھی، اس سے آگے سنئے کہ آپ نے ستانے والوں اور دشمنی کرنے والوں کے لئے بھی یہی تعلیم دی کہ ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے ارشاد فرمایا:۔ صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْکَ (یعنی جو شخص تم سے تعلق توڑے (یا قطع رحمی کرے) تم اس سے بھی جوڑنے کی کوشش کرو جو تم پر ظلم و زیادتی کرے تم اس کو معاف کر دو، جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو اور اس کی بدی کا بدلہ نیکی سے دو)

دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف کی تاکید

آپ نے اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن پاک نے دنیا کو بتایا کہ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی انصاف ہی کیا جائے، بے انصافی اور ظلم و زیادتی جان و ایمان کے دشمنوں کے ساتھ بھی جائز نہیں وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (کسی قوم کی دشمنی تم سے کوئی بے انصافی نہ کرائے سب کے ساتھ انصاف کرو، یہ پرہیزگاری کا قریبی تقاضہ ہے)

حضرات! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو چند ارشادات ابھی

وقت ذکر کئے ہیں اُن کو آپ کی اس تعلیم و ہدایت کا صرف نمونہ کہا جا سکتا ہے جو آپ نے اللہ کے بندوں اور اس کی عام مخلوق کے ساتھ تعلق اور سلوک کے بارے میں اپنی امت کو دی ہے، میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اس سلسلے میں اس وقت بس اتنے ہی پر اکتفا کروں گا، مجھے امید ہے کہ آپ حضرات اسی سے آپ کی تعلیم کے اس شعبہ کے متعلق ایک عام اندازہ کر سکیں گے۔ اب میں ایک دوسرے موضوع پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے شروع میں آپ حضرات سے عرض کیا تھا کہ اس وقت آپ کے سامنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و سیرت کے چند متفرق گوشوں کے بارے میں کچھ عرض کروں گا اور میری اس وقت کی گفتگو کی حیثیت بس متفرقات کی سی ہوگی۔ اب تک میں نے آپ کی تعلیم کے دو گوشوں کے بارے میں کچھ عرض کیا ہے (ایک خدا کی توحید، دوسرے اس کی عام مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک)۔

آپ کا معیار زندگی اور طرز معیشت اب میں آپ کی سیرت کے بھی ایک خاص گوشہ پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری، راستبازی، حسنِ اخلاق، رحمدلی، تحمل، وضعداری، غریبوں اور بیکسوں کی خدمت و اعانت اور شجاعت اور شفقت یہ سب آپ کی زندگی کے وہ پہلو ہیں جن کا اقرار آپ کے دشمنوں کو بھی ہے اور جس شخص کو آپ کے حالاتِ زندگی سے ذرا سی بھی واقفیت ہے وہ ان سب باتوں کو خوب جانتا ہے اس لئے میں آپ کی زندگی کے ان پہلوؤں کے بارے میں کچھ عرض نہیں کروں گا۔ اس وقت آپ کی سیرت کے جس گوشہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ آپ نے اس دنیا سے یعنی دنیا کی دولت اور اس کی لذتوں اور راحتوں سے کتنا حصہ لیا اور آیا نبوت کی وجہ سے آپ نے دنیا میں کوئی آرام اٹھایا، عیش کیا یا مصیبتیں جھیلیں اور تکلیفیں اٹھائیں ــــــ اور جب آپ کو حکومتی اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے حکومت کس طریقہ پر کی اور اس حکومت سے آپ نے اپنے لئے اور

اپنے گھر والوں کے لئے کیا لیا اور کتنا فائدہ اٹھایا؟

پوری زندگی پر ایک نظر
حکومتی دور میں بھی فقیرانہ زندگی

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ نبوت کے بعد تیرہ سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی وطن مکہ میں رہے یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ دعوئے نبوت کے بعد آپ کی قوم آپ کی سخت مخالف بلکہ آپ کی جانی دشمن ہوگئی تھی۔ آپ کو طرح طرح سے ستایا گیا اور ہر ممکن طریقے سے آپ کو تنگ کیا گیا، آپ کا اور آپ کے گھر والوں کا بائی کاٹ بھی کیا گیا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی بندش بھی کی گئی، الغرض مکہ کا پورا زمانہ آپ کی انتہائی مظلومی اور بظاہر بے بسی کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد جب آپ گھر بار چھوڑ کر مکہ سے نکل جانے پر مجبور ہوئے اور مدینہ ہجرت فرمائی تو ابتداء میں یہاں بھی کئی سال تک تنگی اور کمزوری ہی کا دور دورہ رہا اور معاشی خوشحالی اور ترقی کی راہیں نہیں کھلیں۔ بہر حال نبوت کے بعد قریباً ۱۵۔۱۶ سال تک حالات کچھ ایسے ہی رہے کہ دنیا کے عیش و آرام کا بظاہر کوئی امکان بھی نہ تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد حالات بدل گئے، عرب کا خاصا وسیع رقبہ آپ کے زیر اقتدار آگیا، ملکی فتوحات سے اور دوسری راہوں سے دولت کے ڈھیر کے ڈھیر آنے لگے۔ لیکن اس کے بعد بھی آپ کے طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا وہی غریبانہ اور فقیرانہ زندگی اس دور میں بھی رہی جو کہ پہلے دور میں تھی۔ آپ کے خادم خاص ابوہریرہ جو آپ کی زندگی کے آخری چار سالوں میں آپ کے ساتھ رہے جو فتوحات کے سال ہیں اور جب آپ کو حکومتی اقتدار بھی حاصل ہوگیا ہے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور کبھی جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کے آپ نے نہیں کھائی۔

مسلسل فقر و فاقہ

اسی طرح آپ کی رفیقۂ حیات اور محرم راز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے جو حدیث کی مستند کتابوں میں محفوظ ہے۔

وَاللّٰہِ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ ... خدا کی قسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم من یومین متتابعین من خبز الشعیر۔ | اور ان کے گھر والوں نے کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

دو دو مہینے صرف کھجور اور پانی پر گزارہ

ایک اور موقع پر انہی حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عروہ سے بیان کیا کہ۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ہم لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے، یعنی دو دو مہینے گزر جاتے تھے اور ہمارے گھروں میں چولھا گرم ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ خالہ جان! پھر آپ لوگ زندہ کس چیز سے رہتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ بس پانی اور کھجور کے دانوں پر زندگی کے دن کٹتے تھے۔

دنیا سے جاتے وقت تک انتہائی غریبی اور ناداری

حد یہ ہے کہ جو رات آپ کی زندگی کی آخری رات تھی اس رات میں بھی چراغ جلانے کے لئے تیل پڑوس کے گھر سے لینا پڑا تھا۔ اور آپ کی زرہ اس وقت ایک یہودی کے یہاں گروی رکھی تھی جس سے آپ نے کچھ جو قرض منگوا لئے تھے۔

یہ غریبی اور معیشت کی یہ تنگی اس وقت تھی جبکہ آپ عرب کے بڑے حصے کے فرمانروا بھی ہو چکے تھے اور غنیمت اور خمس اور جزیہ وغیرہ مختلف مدوں سے ہزاروں لاکھوں روپیہ آنے لگا تھا، اور خود آپ اپنے ہاتھ سے اُس کو تقسیم فرماتے تھے۔

دنیا کے عیش سے حصہ نہ لینے کا ایک انتہائی سبق آموز واقعہ

اس سلسلہ میں آپ کی زندگی کا ایک واقعہ خاص طور سے قابل ذکر ہے جس کو قرآن مجید میں بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ جب عرب کے ایک حصہ پر آپ کا حکومتی اقتدار بھی قائم ہو گیا اور مختلف علاقوں میں پیدا ہونے والی چیزیں مدینہ طیبہ میں سرکاری طور پر درآمد ہونے لگیں اور خوش حالی والی زندگی گزارنے کے سامان اطراف واکناف سے کھنچ کھنچ کے آنے لگے۔۔۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات یعنی آپ کی گھر والیوں نے باہم مشورہ کر کے

آپ سے درخواست کی کہ اب پہلی کی مجبوری نہیں رہی ہے۔ اللہ کا فضل ہے۔ اس لئے ہم یہ چاہتے ہیں کہ گھر کے گزارہ میں بھی اب کچھ آسانی کی صورت ہو جائے، کم سے کم صرف اتنا ہو جائے کہ ایک فصل پر گھر کے خرچ کے لئے اتنا محفوظ کر دیا جایا کرے جو دوسری فصل تک گزارہ کے لئے کافی ہو جایا کرے تاکہ آئے دن مہمانوں کے آنے جانے پر ایسی ہی کوئی ضرورت پڑ جانے پر پڑوسیوں کے گھروں سے جو قرض اور ادھار منگانا پڑ جاتا ہے۔ یہ صورت نہ ہو اور روزمرہ کی ضرورتیں آسانی سے پوری ہوتی رہیں۔ ــــــ آپ کی ان پاک بیویوں نے نہ تو اپنے لئے زیورات کی فرمائش کی تھی نہ قیمتی کپڑوں کی بس گھر میں اتنا محفوظ کرنے کی درخواست کی تھی جس سے دال روٹی کا مسئلہ آسان ہو جائے اور آئے دن قرض مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔ ــ پھر آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کیا جواب دیا؟ آپ نے اس درخواست کو اپنی گھر والیوں کا اتنا بڑا قصور قرار دیا کہ ان سے بات کرنی بھی چھوڑ دی۔ اور سب سے الگ تنہا ایک حجرے میں رہنے لگے۔ (کوئی محبوب شوہر سب سے بڑی سزا اپنی بیویوں کو یہی دے سکتا ہے) پورا ایک مہینہ گزر گیا۔ پھر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اور آپ کو حکم ہوا کہ اپنی بیویوں سے اس معاملہ میں آپ صاف بات کر لیں اور ان سے کہیں کہ اگر تم میرے گھر کے اس فقر و فاقہ کو اب برداشت نہیں کر سکتیں اور دنیا کا عیش و آرام اور یہاں کی آسائش و زیبائش تم کو مطلوب ہے تو میں تم کو آزادی دے سکتا ہوں اور اگر تمہیں اللہ کی رضا اور اللہ کے رسول کی رفاقت اور آخرت کا عیش و آرام مطلوب ہے تو پھر اسی حال میں میرے ساتھ رہو اور آخرت کے اس اجر و ثواب پر نظر رکھو جو اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کے لئے تیار کر رکھا ہے (قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر یہ ہیں) اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے سامنے اسی قسم کی یہ دونوں باتیں رکھیں اور ان سے کہا کہ تم ان دونوں میں سے کسی ایک کا اپنے لئے فیصلہ کر لو، اگر دنیا کا عیش و آرام چاہتی ہو تو خوشی سے آزادی لے لو۔ میرے گھر میں دنیا کا عیش نہیں مل سکے گا اور اگر جدائی پر راضی نہیں ہو گی، میرے ساتھ ہی رہنا چاہتی ہو تو پھر دنیا کا اور اس کے عیش و آرام کا خیال چھوڑ دو اور جس طرح فقر و فاقہ کی زندگی گزر رہی ہے ہمیشہ کے لئے اپنے کو اس پر تیار کر لو۔ ——— چنانچہ اللہ کی وہ نیک بندیاں اپنی اس درخواست پر نادم ہوئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ ہماری توبہ! ہم تو ہر حال میں آپ ہی کے قدموں میں رہیں گے۔

حضرات! بس یہی ایک واقعہ اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے کتنا حصہ لیا اور آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے حکومت سے کتنا نفع اٹھایا۔ اور سنئے:۔

صاحبزادی کی پر مشقت زندگی اور آپ کی نصیحت

آپ کی اولاد میں سے اس آخری زمانے میں ایک صاحبزادی صرف حضرت فاطمہؓ رہ گئی تھیں۔ جو قدرتی طور پر آپ کو بہت عزیز اور بہت پیاری تھیں، ان کا حال یہ تھا کہ آٹا خود پیستی تھیں جس سے ان کی ہتھیلیوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ پانی مشکیزہ بھر کے کنوئیں سے خود لاتی تھیں جس کی وجہ سے گردن کے پاس نیلے نشان ہو گئے تھے، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کچھ غلام اور کچھ کنیزیں آئیں (جنھیں آپ کو کام کاج کرنے کے لئے مختلف گھرانوں میں تقسیم ہی کرنا تھا) جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو انھوں نے بھی استدعا کی کہ گھر کے کاموں میں ان کی مدد کے لئے ان کو بھی ان میں سے کوئی دے دیا جائے۔ لیکن آپ نے ایک ایک کر کے وہ سب دوسرے لوگوں کو دے دیئے اور چہیتی صاحبزادی سے فرمایا، پیاری بیٹی میں تم کو خادم سے اچھی چیز بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ رات کو سونے سے پہلے اللہ کو اس طرح یاد کر لیا کرو کہ ۳۳ بار سبحان اللہ

۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر کہہ لیا کرو، یہ تمہارے لئے غلام اور کنیز سے بہتر ہے' بیٹی نے پوری خوش دلی کے ساتھ اس کو منظور کر لیا۔ اور اسی طرح محنت و مشقت کی زندگی گزارتی رہیں۔

ترکہ سے بھی اپنی اولاد محروم

اور سنئے! ساری دُنیا کا مسلمہ قانون ہے اور اسلام کا بھی عام قانون ہے کہ مرنے والا جو کچھ چھوڑے، وہ حصہ رسدی اس کی اولاد کا یا دوسرے اہل خاندان کا اور گھر والوں کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اگرچہ فقر و فاقہ کی تھی' لیکن قانونی طور پر کچھ جائداد آپ کی ملکیت میں تھی' جس کی آمدنی آپ مختلف مدوں میں صرف فرمادیتے تھے' لیکن دنیا سے جاتے وقت اس کے بارے میں بھی آپ فرما گئے کہ میری یہ جائداد اور جو کچھ بھی میں ترکہ میں چھوڑوں وہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے میرے وارثوں اور میرے گھر والوں کا اس پر حق نہیں ہو گا (ما ترکنا صدقۃ)

خاندان والوں کے لئے زکوٰۃ کی آمدنی سے حصہ لینا بھی حرام

اور سنئے! اسلامی حکومت کی آمدنی کی سب سے بڑی مد زکوٰۃ ہے' ہر مسلمان کو اپنے سرمایہ کا پورا چالیسواں حصہ ہر سال اس میں دینا پڑتا ہے' زکوٰۃ کی اس مد سے ہر ضرورت مند مسلمان فائدہ اٹھا سکتا ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو اس فائدے سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا۔ اور اعلان فرما دیا کہ میرے خاندان والوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔۔۔ اب اسلامی شریعت کا قانون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والے اگر پیسے والے ہوں تو ان سے زکوٰۃ وصول تو کی جائے گی لیکن اگر وہ مفلس اور نادار ہوں تو زکوٰۃ سے ان کی مدد نہیں کی جائے گی اور آج تک اس قانون پر عمل ہو رہا ہے۔

کیا اس زندگی کی کوئی اور مثال بتائی جا سکتی ہے

حضرات! دنیا میں آپ سے پہلے بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر آئے' ان کی پیغمبری پر ہمارا ایمان ہے۔ بڑے بڑے رشی

اور مُنی پیدا ہوئے جن کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے، لیکن ایمان دھرم سے بتایئے اور خدا لگتی کہئے کہ کسی نے بھی یہ نمونہ چھوڑا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام ‏ ‏ مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام ‏ ‏ لیکن تو چیزے دیگری

آپ کی تعلیم و تربیت کے تیار کئے ہوئے نمونے
پھر آپ کے اسی نمونے اور اسی تعلیم نے ابوبکرؓ و عمرؓ جیسے حکمراں پیدا کئے، یہ اپنے زمانہ کی وسیع اور مضبوط ترین حکومت کے پورے با اختیار فرمانروا تھے، خاص کر حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو اُس وقت کی سب سے بڑی دو شہنشاہیوں (رومی حکومت اور ایرانی حکومت) کے علاقے بھی ان کے زیر اقتدار آگئے تھے اور وہ اپنے دور کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا تھے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے بالکل فقیروں اور مسکینوں کی سی زندگی گزاری اور حکومت سے نہ اپنی ذات کے لئے کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ اپنی اولاد اور اپنے خاندان والوں کو نفع اٹھانے کا کوئی موقع دیا۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں گاندھی جی کا اعتراف
شاید آپ میں سے بہتوں کو گاندھی جی کی یہ بات یاد ہو گی کہ ۱۹۳۷ء کے جنرل الکشن کے بعد جب پہلی دفعہ سات صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو انھوں نے اپنے اخبار ہریجن میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں وزارتوں کو نصیحت کی تھی کہ وہ ابوبکر و عمر کو بطور نمونہ کے اپنے سامنے رکھیں اور صاف لفظوں میں کہا تھا کہ میں نے یہ دو نام اس لیے لکھے ہیں کہ مجھے تاریخ میں ان دو کے سوا کوئی حکمراں ایسا نہیں ملا جس نے خود فقیر رہ کر ایسی حکومت کی ہو۔

بلاشبہ گاندھی جی نے یہ بات بالکل صحیح کہی تھی، لیکن گاندھی جی بھی جانتے تھے اور آپ سب حضرات بھی جانتے ہوں گے کہ ابوبکر و عمر میں یہ بات ان کے اور ہمارے ہادی برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے آئی تھی۔

اگر ہمارے ارباب حکومت گاندھی جی کی اس نصیحت پر صرف پانچ فی صدی ہی عمل کرتے تو میں خدا کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت ہمارا یہ ملک ساری دنیا کی حکومتوں کے لئے ایک مثال ہوتا اور سارے مشرق اور مغرب کی رہنمائی کرتا۔

یہ جو کچھ کہا گیا ہے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے

خیر یہ بات تو اس وقت یوں ہی زبان پر آ گئی ورنہ مجھے آخری بات آپ حضرات سے یہ کہنی تھی، کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سیرت کے متعلق جو کچھ میں نے اس وقت عرض کیا ہے یہ بلا مبالغہ سمندر میں سے ایک قطرہ ہے اور ایک محدود وقت کی تقریر میں اس سے زیادہ کہا بھی نہیں جا سکتا۔

سب حضرات سے میری آخری مخلصانہ درخواست ہے کہ جلسوں کی اس قسم کی تقریروں ہی پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور سیرت سے واقفیت حاصل کرنے کو زندگی کا ایک ضروری کام سمجھیں، انشاء اللہ اس سے آپ کو وہ روشنی حاصل ہوگی جس سے آپ زندگی کے اس سفر میں اور دنیا کے الجھے ہوئے مسئلوں میں بہت کچھ روشنی حاصل کر سکیں گے، آفتاب کے ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھانا خود اپنے پر بہت بڑا ظلم ہے۔ آپ کے ملک کی عام چالو زبان اردو میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور تعلیم پر کافی لٹریچر موجود ہے، اور تھوڑا بہت تو دوسری ملکی زبانوں میں بھی مل جاتا ہے۔

آپ کی تعلیم اور زندگی پوری محفوظ ہے اس سے فائدہ نہ اٹھانا دنیا کی بڑی محرومی ہے

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ کے پیغمبروں اور دنیا کے روحانی ہادیوں میں صرف آپ کی ایک خصوصیت ایسی ہے کہ آپ کی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات اور آپ کی تعلیم کو اتنی تفصیل سے اور ایسے مستند طریقہ سے تاریخ میں محفوظ کیا گیا ہے اور ریکارڈ کیا گیا ہے کہ میرے اور آپ کے لئے آج یہ بالکل ممکن ہے کہ ہم بالکل

اس طرح آپ کی زندگی کا مطالعہ کریں جس طرح آپ کے پڑوسیوں اور آپ کے سنگ ساتھ والوں نے آپ کی زندگی میں کیا تھا۔

میں اس وقت بغیر کسی پردہ کے صاف کہتا ہوں بہتر کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی تعلیم سے متعلق جو مستند تاریخی ذخیرہ موجود ہے میں خود جب اس کا مطالعہ کرتا ہوں تو میں محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں آپ کو اور آپ کے مشاغل اور آپ کے پورے ماحول کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور آپ کے ارشادات گویا اپنے کانوں سے سن رہا ہوں، میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ اپنے بہت سے ان بزرگوں اور دوستوں کو جن کے ساتھ میرا رہنا سہنا ہوا ہے، اتنا میں نہیں جانتا جتنا کہ مستند تاریخ کے ذریعہ اپنے ہادی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہوں —— اور اس میں میری کوئی خصوصیت نہیں ہے، آپ میں سے جو شخص بھی نیک نیتی کے ساتھ آپ کی تعلیم و سیرت کا مطالعہ کرے گا انشاء اللہ وہ ایسا ہی محسوس کرے گا —— یہ بات میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی کہتا ہوں اور غیر مسلم بھائیوں سے بھی کہتا ہوں، دنیا کی بہت بڑی محرومی ہے کہ ایسی اعلیٰ رہنمائی کا سامان موجود ہوتے ہوئے اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو وہ آنکھیں، وہ کان اور وہ دل نصیب فرمائے جس سے ہم حقیقتوں کو صحیح طور پر دیکھ سکیں، سن سکیں اور سمجھ کے ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ وسلم علی رسولہ سیدنا محمد والہ و اصحابہ اجمعین

مسلمانوں کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ

یہ تقریر فروری سنہ ۱۹۵۶ء میں لکھنؤ کے ایک اجتماع میں کی گئی تھی۔

الحمد لله الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق صلوات اللہ وسلامہ علیھم وعلی کل من تبعھم باحسان اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

دوستو اور دینی بھائیو!

آپ حضرات اس سے تو یقیناً ناواقف نہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے نہیں آئے تھے کہ دُنیا کی قوموں میں مسلمان نام کی ایک نئی قوم کا اضافہ کر دیں بلکہ آپ انسانی دنیا کے لئے زندگی کا ایک خاص نظام لے کر آئے تھے اس نظام کے خاص عناصر اور خاص عنوانات یہ تھے۔ اللہ پر اور آخرت کی جزا سزا پر ایمان و یقین، اچھے اعمال اور پاکیزہ اخلاق، اور دنیا میں نیکی کو رائج کرنے کے لئے مخلصانہ فکر و کوشش۔ زندگی کے اسی نظام کا نام اسلام تھا۔ اور یہ دنیا کے لئے کوئی نیا اور نرالا نظام نہ تھا، بلکہ اصولی اور بنیادی طور پر یہ وہی نظام تھا جس کی دعوت آپ سے پہلے آنے والے اللہ کے سب پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں انسانوں کو دی تھی، بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام زندگی کو آخری اور مکمل شکل میں لے کر آئے اور آپ نے پیغمبرانہ دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ انسانوں کو اس نظام زندگی کی دعوت دی۔ آپ جس وقت اس دنیا میں پیغمبر ہو کر تشریف لائے تو پیغمبروں کا نام لینے والی چند قومیں یہاں موجود تھیں۔ حضرت موسیٰ کی امت موجود تھی، حضرت عیسیٰ کی امت موجود تھی، حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کے نام لیوا بھی موجود تھے۔ لیکن یہ

واقعہ ہے کہ ان کے پاس وہ زندگی نہیں تھی جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اپنے اپنے وقت پر لے کر آئے تھے، ایمان، اعمال اور اخلاق سب کا نقشہ بگڑا ہوا تھا۔ اور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ سب خدا کو بھولے ہوئے تھے۔ آخرت کی جزا اور سزا کی طرف سے سب بے فکر اور غافل تھے، اس لئے اعمال گندے اور اخلاق درندوں کے سے تھے۔ بہر حال اس بگڑی ہوئی حالت میں اور اس اندھیری فضا میں سیدنا حضرت محمد صلعم نبی بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے اللہ پر اور آخرت کی جزا و سزا پر ایمان لانے کی اور اچھے اعمال و اخلاق اختیار کرنے کی دعوت دی اور اس ایمان اور اعمال و اخلاق کا ایک مکمل اور تفصیلی نقشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میں نے جیسا کہ ابھی عرض کیا تھا اسی نقشہ کا نام اسلام تھا اور آپ کا اصل کام زندگی کے اسی نظام اور نقشے کی دنیا کو دعوت دینا اور اس کو پھیلانا اور رواج دینا تھا۔ آپ نے اس وقت کی دنیا کے سامنے اس کو پیش کرتے ہوئے اس کے نازل کرنے والے پروردگار کی طرف سے یہ اعلان بھی کیا کہ زندگی کا صرف یہی نقشہ اس کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔ اور اسی کے مطابق زندگی گزارنے والے ہی اس کے وفادار اور اس کی رحمتوں کے مستحق بندے ہیں، اور اس کے سوا اور اس سے مختلف زندگی کے جتنے نقشے ہیں وہ سب اس کے ہاں مردود اور مبغوض ہیں۔ اس لئے اس کا فیصلہ ہے کہ جو لوگ اس کے تجویز کئے ہوئے اور نازل کئے ہوئے اس طریقہ زندگی کو اپنائیں گے جو میں لے کر آیا ہوں اور اس پر چلیں گے، ان کو اللہ کی خاص رضا نصیب ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرنے کے بعد والی آخرت کی اس زندگی میں جو کبھی ختم نہ ہوگی وہ انتہائی درجہ کے عیش و آرام میں رہیں گے اور اس دنیا میں بھی اُن پر ان کے مالک کا خاص فضل ہوگا اور جب اس طریقے پر چلنے والوں کی یعنی ایمان، اعمال و اخلاق کے اس خداوندی نقشے پر

زندگی گزارنے والوں کی کوئی قوم اور امت اس دنیا میں ہو گی تو اللہ تعالےٰ اس کو اس دنیا کا انتظام بھی سپرد کر دے گا۔ اور یہ دنیا گویا اس کے چارج میں دے دی جائے گی۔

جس وقت آپ نے دنیا کے سامنے زندگی کا یہ نقشہ پیش کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی، اُس وقت اس پوری دنیا میں کوئی بھی اس نقشہ پر چلنے والا نہیں تھا۔ بس آپ اکیلے ہی اس طریقہ پر زندگی گزارنے والے تھے۔ پھر آپ کے زمانے کے کچھ نیک بخت لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد اس طریقہ زندگی کو قبول کرنے والوں اور اس پر چلنے والوں کی ایک چھوٹی سی امت یا جماعت بھی وجود میں آ گئی۔ اس وقت یہ جماعت بس مدینہ کی بستی میں اور اس کے قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں تھی۔ گویا پوری دُنیا کے بحرِ ظلمات اور اندھیرے سمندر میں یہ چھوٹا سا نورانی جزیرہ تھا۔ جس کی زندگی کا نقشہ ساری دنیا کی آبادیوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے اور آپ سے تعلیم و تربیت پائے ہوئے مسلمانوں کی مختصر سی جماعت تھی۔ تاریخ میں اس جماعت کی زندگی کا نقشہ اس طرح محفوظ ہے کہ آپ اس وقت رات ہونے کے باوجود جس طرح بجلی کی روشنی میں مجھے دیکھ رہے ہیں اور میں آپ کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح تاریخ کی روشنی میں ہم آج بھی تیرہ سو برس گزر جانے کے باوجود اس جماعت کی زندگی کے نقشے اور اس کے خد و خال کو دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ دیکھ رہے ہیں۔ ان سب کا حال یہ تھا کہ خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا عنصر ان کی زندگی میں ہر دوسری چیز پر غالب تھا۔ یہ ہر معاملے میں اپنے دل کی خواہش اور چاہت یا اپنی ذاتی منفعت و مصلحت کے بجائے خدا کے حکم کو دیکھتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان کے اخلاق انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کا نمونہ تھے۔ دنیا میں بھلائی پھیلانے کے لئے

اور بگڑے ہوئے انسانوں کو اللہ کا نیک بندہ بنانے کے لئے اور خدا سے بچھڑے
ہوؤں کو خدا سے ملانے کے لئے اور جنت تک پہونچانے کے لئے ہر طرح کی تکلیفیں اٹھانا
اور مصیبتیں جھیلنا ان کا خاص کردار اور شعار تھا۔ بس یہ ان کی زندگی تھی اور اسی زندگی کی
وجہ سے ان پر اللہ تعالےٰ کا خاص فضل تھا۔ اگرچہ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ آج ہندوستان
جیسے ایک غیر اسلامی ملک کے بعضے ایک، ایک شہر میں بھی اس سے زیادہ مسلمان موجود ہیں
جتنی کہ اُس وقت مسلمانوں کی کل مردم شماری تھی، اور اسی طرح ان کے پاس دولت کی بھی
اتنی کمی تھی کہ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت کے تمام مسلمانوں کی مجموعی
دولت مل کر بھی اتنی نہ تھی جتنی آج ہمارے ایک، ایک دولت مند مسلمان بھائی کو اللہ نے
دے رکھی ہے، اور اسی طرح علم و ہنر اور قوت و طاقت کے دوسرے ظاہری اسباب سے
بھی وہ خالی ہاتھ تھے مگر چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کی لائی ہوئی زندگی کو اپنا لیا تھا اور اس طرح
اللہ کی خاص رضا اور نصرت و اعانت کا استحقاق پیدا کر لیا تھا۔ اس لئے تعداد اور دوسرے
مادی وسائل کی اتنی کمی کے باوجود وہ اس وقت کی پوری دنیا کے مقابلہ میں بھاری اور وزنی
تھے اور دنیا ان کے سامنے جھکنے پر مجبور تھی۔

اس سے میرا اشارہ ان ملکی فتوحات اور اس سیاسی بالاتری کی طرف نہیں ہے
جو قرن اول کے ان مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح
اور پیغمبروں کے طریقے پر انسانیت کی مخلصانہ خدمت و رہنمائی کی وجہ سے اس وقت کی
دنیا میں وہ سب سے ممتاز اور سب سے بالاتر تھے اور دنیا کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ان کے
فیصلوں کا پڑتا تھا۔

رسول اللہ صلعم کے اس دنیا سے اٹھا لئے جانے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک امت کی
زندگی کا نقشہ یہی رہا۔ لیکن کچھ اور زمانہ گزر جانے کے بعد زندگی کے اس نقشے میں
فرق پڑنا شروع ہوگیا۔ ایمان و یقین میں کمزوری آئی۔ اعمال و اخلاق میں بھی فرق آیا۔

اور اس کے نتیجے میں اس کے ساتھ اللہ کے معاملہ میں بھی فرق آگیا۔ پھر یہ فرق برابر بڑھتا گیا اور اسی تناسب سے اُمت کے حالات بگڑتے رہے یہاں تک کہ تیرہ صدی گزرنے کے بعد آج مسلمان کہلانے والی وہ امت اُس حال میں ہے جو ہمارے اور آپ کے سامنے ہے اب صورت یہ ہے کہ اس امت کی تعداد تو اتنی بڑھ گئی ہے جس کا قرن اول کے مسلمانوں نے غالباً کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا لیکن جو زندگی حضور لے کر آئے تھے اور جس کی بنیاد پر مسلمان دنیا میں ممتاز امت بنے تھے اور جس کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور نصرت ان کو حاصل تھی، وہ اس وقت چھوٹی سی چھوٹی کسی مسلمان بستی کی بھی زندگی نہیں ہے۔

آج مسلمان کہلانے والوں کی غالب اکثریت کے قلوب اس ایمان و یقین سے خالی ہیں جو رسول اللہ صلعم لے کر آئے تھے۔ اس کے بجائے بس ایک کمزور اور بے جان سا عقیدہ اور زبانی اقرار رہ گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دلوں میں خدا کا خوف نہیں، زندگی میں آخرت کی فکر نہیں، اعمال اسلامی نہیں، اخلاق اسلامی نہیں، معاملات اسلامی نہیں، الغرض اسلام کے اقرار و اعتقاد کے باوجود ظاہری اور باطنی زندگی اسلامی نہیں۔

میرے محترم بھائیو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلعم جو زندگی لائے تھے اور جس کی آپ دعوت دیتے تھے اور جس کا نام اسلام تھا، وہ پوری کی پوری قرآن مجید میں اور آپ کی سنت میں محفوظ ہے، ایک طرف اس کو دیکھئے اور دوسری طرف مسلمان کہلانے والی قوم کی موجودہ زندگی کو، کوئی بھی دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں میں کوئی مناسبت اور مطابقت ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت عام مسلمانوں کی جو زندگی ہے رسول اللہ صلعم ایسی زندگیوں کو تو مٹانے تشریف لائے تھے۔ لیکن اس وقت ہماری بدبختی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ امت کی اکثریت کی زندگی وہی زندگی ہے اور دلوں میں اس پر کوئی بے چینی اور کوئی خاص خلش بھی نہیں ہے۔

میرے دینی بھائیو! مجھے اس وقت آپ سے یہی کہنا ہے کہ ہم مسلمانوں کی زندگی

کا سب سے بڑا سانحہ اور سب سے زیادہ فکر اور توجہ کے قابل مسئلہ یہی ہے۔

آخر میں اس سلسلہ میں میں آپ سے ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس امت کی ایک خاص حیثیت یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم پر سلسلہ نبوت ختم کئے جانے کے بعد نبوت والا کام بطور نیابت اس امت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ یعنی اب اس امت کی ذمہ داری ہے کہ رسول اللہ صلعم جو زندگی اللہ کی طرف سے لائے تھے اور جس کو دنیا میں رواج دینے کے لئے آپ نے ساری عمر جد وجہد کی، یہ امت دنیا کے لئے اس زندگی کا نمونہ بنے اور دنیا میں اس کو عام کرنے اور پھیلانے کے لئے پیغمبروں کے طریقہ پر مخلصانہ اور بے غرضانہ جد وجہد بھی کرے۔

اس دنیا میں انسانوں کے مختلف طبقے ہیں اور ان طبقوں کی مختلف ذمہ داریاں اور ڈیوٹیاں ہیں۔ امت محمدیہ کی خاص ذمہ داری اور ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں اپنے عمل سے پیغمبروں کے لائے ہوئے اس طریقہ زندگی کی نمائندگی کرے جو اس کو رسول اللہ صلعم سے آخری اور مکمل شکل میں ملا ہے اور دنیا میں اس کو رواج دینے کے لئے مخلصانہ اور بے غرضانہ جد وجہد کرے۔ یہ امت اسی لئے پیدا کی گئی ہے اور اس کے وجود کی خاص غرض وغایت یہی ہے۔
اگر ہم یہ کام نہ کریں تو پھر اس دنیا میں ہماری کوئی ضرورت نہیں ہے سارے کام ہمارے بغیر بھی چلتے رہیں گے لیکن اگر ہم یہ خدمت انجام دیں تو پھر یہ دنیا ہماری اتنی محتاج اور ضرورتمند ہے کہ اتنی احتیاج اور ضرورت بیان کی بھی نہیں۔ اللہ کے جو بندے اس دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے موجودہ مسائل و مصائب کے جاننے اور سمجھنے والے ہیں وہ تو گویا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت اس دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ایک ایسی قوم اور ایسی امت کی ہے جو انسانیت کی خدمت انبیاء علیہم السلام کے طرز پر کرے اور انبیاء علیہم السلام کی پاک زندگی کا نمونہ اپنی زندگی سے پیش کرے۔ ہم آپ سے یہی کہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے بارے میں اس تبدیلی کا فیصلہ کیجئے۔ اللہ کے آخری نبی کے امتی ہونے کی حیثیت سے یہ آپ ہی کا خاص

فریضہ ہے اور اس امانت کے آپ ہی امین ہیں۔ آپ ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے
قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ
فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔

کیسے افسوس اور قلق کی بات ہے کہ ہم ایک ایک ملک میں آج کئی کئی کروڑ ہیں لیکن
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے پیغام سے بے تعلق ہونے کی وجہ
سے کوڑے کرکٹ سے زیادہ بے قیمت ہیں۔ ہمارا وجود آج نہ ہمیں کوئی نفع پہونچا رہا ہے
اور نہ دنیا کو اس سے کوئی نفع پہونچ رہا ہے۔ قیامت کے دن ہم خدا کو کیا جواب دیں گے
اور اس کے حبیب نبی برحق کا ہم نام لیتے ہیں۔ ان کی امانت کو اس طرح برباد کرنے اور ان
کی تعلیم و ہدایت کے خلاف اس طرح زندگی گذارنے کے بعد ہم آپ کو کیا منہ دکھائیں گے

ہم نے آج آپ کو یہاں جمع ہونے کی اسی لئے تکلیف دی تھی اور یہی آپ کے
سامنے یہی مسئلہ رکھنا تھا۔ اب ہمارے اور آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک
یہ کہ یہ سب کچھ سامنے آجانے کے بعد بھی ہماری زندگی یہی رہے گی جو اب ہے اور ہم
کوئی نیا فیصلہ نہ کریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ کا یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور
ان کے لائے ہوئے دین کا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ صرف اپنے ہی اوپر ظلم کریں گے اور
اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں اور زیادہ ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوں گے اور مرنے
کے بعد قبر میں حشر میں اور خدا نخواستہ دوزخ میں بھی اللہ کے اس عذاب اور غضب
کا مزا چکھیں گے جو خدا اور اس کے رسول کو ناراض کرنے والوں اور باغیانہ زندگی
گزارنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ قرآن مجید میں ایسے ہی
مجرمین کو انتباہ دیا گیا ہے کہ۔ فما جزاء من یفعل ذالک منکم الاخزی فی الحیوٰۃ

الدنیا ویوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون۔
(البقرہ۔ ع ۱۰)

اور اگر ہم نے اپنی زندگی میں تبدیلی کا فیصلہ کیا اور یہ طے کیا کہ اب اپنی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نقشۂ زندگی کے مطابق بنائیں گے اور آپ کے امتی ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داری اس زندگی کو دنیا میں پھیلانے کی اور پیغمبروں کے طرز پر عام انسانوں کی مخلصانہ اور بے غرضانہ خدمت اور رہنمائی کی ہم پر ڈالی گئی ہے اس کو ادا کرنے کی فکر کریں گے تو میں آپ سے قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس دنیا میں بھی ہم کو عزت و احترام کا مقام حاصل ہوگا اور قبر میں اور حشر میں اللہ تعالےٰ کا معاملہ ہمارے ساتھ انشاءاللہ خاص رحمت اور عنایت کا ہوگا۔ اور جنت میں ہمارا دوامی ٹھکانا ہوگا اور اللہ کی دوامی رضا کی سب سے بڑی نعمت بھی ہم کو حاصل ہوگی۔

سب سے آخر میں میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کے وہ دوسرے مسائل بھی جن کو آپ اپنی زندگی کے سب سے بڑے اور اہم مسائل سمجھ رکھے ہیں اور جن کے حل نہ ہونے سے آپ شکستہ دل ہیں ان کے حل کا یقینی راستہ بھی یہی ہے۔ آج پوری انسانی دنیا اور خاص کر ہمارا یہ ملک ہندستان اس حالت میں ہے کہ اگر یہاں کوئی قوم اور امت ایسی ہو جو ایمان و یقین میں خداترسی اور خداپرستی میں اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ میں ممتاز ہو اور دنیا میں نیکی کو پھیلانے کے لئے اللہ کے پیغمبروں کے طریقہ پر مخلصانہ اور بے غرضانہ جدوجہد اس کا طرۂ امتیاز ہو تو اس کو سروں پر بٹھایا جائے گا۔ اور دنیا کی قیادت اس کی طرف منتقل ہو کر رہے گی۔ یہ اللہ تعالےٰ کی ازلی سنت اور اس کا اٹل فیصلہ ہے۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

مسلمانوں کی موجودہ تمدّنی زندگی

اور

اُس کے اثرات ونتائج

یہ تقریر شعبان ۱۳۷۴ھ میں احمد آباد کے ایک اجتماع
میں کی گئی تھی
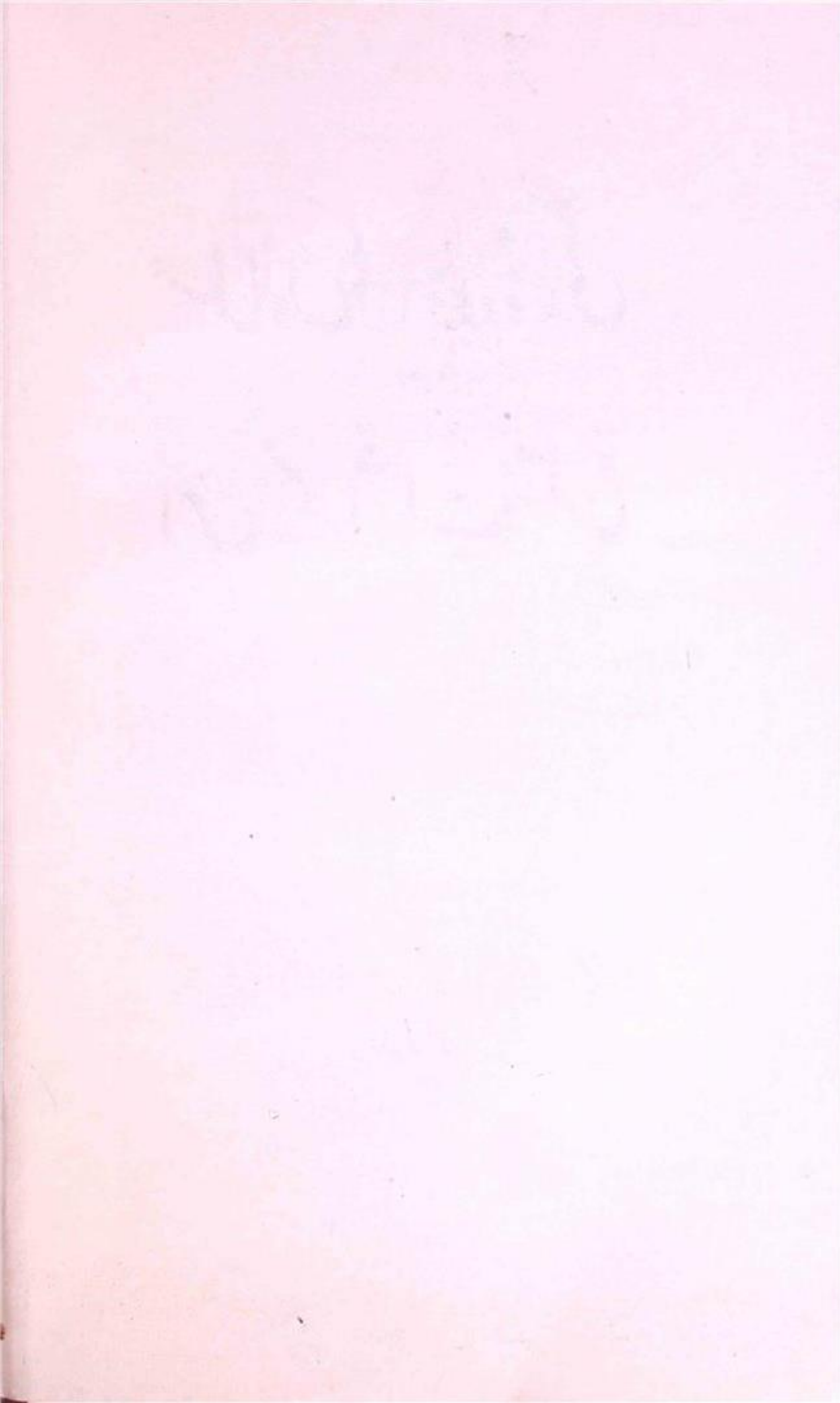
حمد و صلوٰۃ کے بعد

محترم بزرگو اور دینی بھائیو!

اس وقت مسلمانوں میں دینی حالت کے لحاظ سے تین قسم کے اور تین طرح کے آدمی ہیں۔ بہت تھوڑی تعداد میں تو اللہ کے وہ بندے ہیں جن کی زندگی وہی ہے جو ایک مسلمان کی ہونی چاہیے یعنی ان میں ایمان بھی ہے اور ایمان کی وجہ سے آخرت کی فکر بھی ہے اور اس فکر کی وجہ سے ان کی زندگی اللہ اور اللہ کے رسول کی تابعداری کی زندگی ہے یعنی اللہ اور اسکے رسول نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو فکر اور اہتمام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اور جن باتوں سے بچنے کا حکم دیا ہے ان سے بچتے ہیں۔ اور اگر کبھی شیطان یا نفس کے بہکانے سے ان سے کوئی نادانی اور غلطی ہو جاتی ہے تو وہ اللہ سے توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ میں نے جیسا کہ عرض کیا، مسلمانوں میں اللہ کے ایسے بندوں کی تعداد بہت کم ہے، میرا اندازہ ہے کہ ایک دو فی صدی بھی نہیں ہے، تاہم ابھی یہ امت ایسے بندگانِ خدا سے خالی نہیں ہوئی ہے اور قریب قریب ہر ملک اور ہر علاقے میں اللہ کے ایسے وفادار اور فرماں بردار بندے موجود ہیں اور اصلی و حقیقی مسلمان دراصل یہی ہیں۔

اور ان کے مقابلے میں سب سے بڑی تعداد مسلمان کہلانے والوں میں اب ان لوگوں کی ہے جو اگرچہ نسلاً مسلمان ہیں۔ لیکن اسلام سے نہ ان کا علمی تعلق ہے نہ عملی، یعنی انھیں نہ یہ جاننے کی فکر ہے کہ اسلام کیا ہے اور ہم سے کیا چاہتا ہے اور نہ اپنی عملی زندگی میں انھوں نے اسلامی احکام کی پابندی اور فرماں برداری کا فیصلہ کیا ہے۔ ان لوگوں نے مسلمان ہو

کا مطلب بس اتنا سمجھا ہے کہ یہ اسلام کے منکر اور کافر نہیں ہیں۔ اور ان کے باپ، دادا کا جو دین رہا ہے یعنی اسلام اس کو یہ سچا اور اچھا سمجھتے ہیں۔ باقی اس سے آگے نہ وہ جانتے ہیں نہ سوچتے ہیں ـــــــ میں نے ابھی آپ سے عرض کیا کہ مسلمان کہلانے والوں میں سب سے بڑی تعداد اسی قسم کے لوگوں کی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات میری اس بات کو مبالغہ سمجھیں لیکن مجھے پورا اطمینان ہے کہ میں بالکل مبالغہ نہیں کر رہا ہوں اور میرے اندازے میں مسلمانوں کی اکثریت قریب قریب اسی حال میں ہے اور آپ میں سے جن حضرات کو میرے اس اندازہ سے اختلاف ہو میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ خود چل پھر کر مسلمانوں کے مختلف طبقوں کی دینی حالت کا براہ راست مطالعہ کریں، مجھے یقین ہے کہ جو صاحب اس سلسلے میں اپنا کچھ وقت اور کچھ آرام قربان کریں گے وہ اسی نتیجہ پر پہونچیں گے اور میرے اندازہ کی تصدیق کریں گے۔

دو طبقے تو مسلمانوں میں یہ ہیں جن کا میں نے ذکر کیا اور تیسرا طبقہ ان دونوں کے درمیان والا ہے۔ یعنی نہ تو پہلے طبقہ کی طرح ان میں اللہ اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری کی پوری فکر اور اہتمام ہے اور نہ دوسرے طبقہ کی طرح دین کی طرف سے وہ بالکل بے پرواہ اور صرف نام کے مسلمان ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ دین سے کچھ باخبر بھی ہیں، ان کو دین سے کچھ دلچسپی بھی ہے اور اسلام کے بعض احکام پر وہ عمل بھی کرتے ہیں لیکن ایک سچے مسلمان کی طرح اللہ اور رسول کے ہر حکم پر چلنے کو اور ہر معاملہ میں اللہ و رسول کی ہدایت کی پیروی کرنے کو انھوں نے اپنی زندگی کا اصول نہیں بنایا ہے، اس لئے بہت سے کام وہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف بھی کرتے ہیں۔ مثلاً نماز پڑھتے تو ہیں مگر پابندی سے پانچوں وقت کی نہیں پڑھتے یا مثلاً زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا مثلاً نماز تو پڑھتے ہیں مگر رشوت لیتے ہیں یا جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں۔ یا نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ تجارت اور سوداگری میں بددیانتی کرتے ہیں۔ الغرض ان کا حال یہ ہے کہ وہ مسلمان تو ہیں اور ان کو اسلام سے محبت اور دلچسپی

سمجھا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو اسلامی احکام اور اسوۂ رسول کی ہدایات کا پوری طرح پابند نہیں کیا ہے اس لیے ان کی زندگی اور ان کی عادات میں کچھ چیزیں اسلامی تعلیم کے مطابق بھی ہیں اور کچھ باتیں اس کے خلاف بھی ہیں۔ یہ تیسرا طبقہ جس طرح اپنی دینی حالت کے لحاظ سے درمیانی ہے اسی طرح اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی درمیانی ہے یعنی اس قسم کے مسلمانوں کی تعداد پہلی قسم کے مسلمانوں سے تو بہت زیادہ ہے لیکن دوسری قسم کے مسلمانوں کے مقابلے میں کم ہے۔

الغرض مسلمان کہلانے والی قوم اور امت میں اس وقت یہ تین طبقے ہیں۔ ان میں سے پہلا طبقہ جو تناسب کے لحاظ سے بہت ہی کم تعداد میں ہے ظاہر ہے کہ دینی نقطۂ نگاہ سے اس کا حال بڑا مبارک ہے، قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں ایسے بندگان خدا کے لیے اللہ کی رضا، رحمت اور جنت کی بے شمار بشارتیں ہیں ۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اور آپ کو بھی ان ہی میں سے کر دے۔

دوسرا طبقہ جس کے متعلق میں نے بتایا کہ اسلام سے اس کا کچھ بھی علمی اور عملی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے مسلمان ہونے کا مطلب بس یہی ہے کہ وہ کافر اور منکر نہیں ہے اس کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے کہ اللہ اس پر رحم فرمائے اور ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمائے کہ ہم دنیا میں زندہ ہیں، کھاتے پیتے اور سوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی امت کی بہت بڑی تعداد اسلام سے اس قدر دور جا پڑی ہے۔ اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ ان کا اسلام سے جو برائے نام تعلق ہے وہ آنے والے زمانے میں کب تک باقی رہ سکے ۔۔۔ میں اس دوسرے طبقہ کے متعلق بھی اس وقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والے غالباً یہاں اس وقت موجود بھی نہ ہوں گے

اب رہا تیسرا طبقہ جس کو میں نے درمیانی طبقہ کہا ہے اور جو اپنی تعداد کے لحاظ سے بھی درمیانی ہے۔ اس کے متعلق میں صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگرچہ دوسرے طبقہ

کے اعتبار سے اس کی حالت یقیناً بہتر ہے لیکن قرآن مجید سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت بھی اللہ کو ہرگز پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالے اس حالت سے ہرگز راضی نہیں ہے اور اگر تو یہ کہے کہ حالت درست نہ کی جائے تو پھر یہ حالت بھی اللہ کے غضب اور اس کی سخت ناراضی کا باعث بننے والی ہے۔

حضرات! میری اس گزارش سے آپ حضرات نے سمجھ لیا ہو گا کہ اس وقت مسلمان کہلانے والی قوم اور امت کا دینی حالت کے لحاظ سے اجتماعی نقشہ یہ ہے کہ ان میں مشکل سے دو چار فی صدی تو ایسے حال میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اس کی رحمت اور فضل خاص کے مستحق ہیں، اور باقی ۹۰ فی صدی سے زیادہ کا حال ایسا ہے کہ وہ اللہ کے غضب کو زیادہ کھینچنے والا ہے۔ گویا شر خیر سے اور فساد صلاح سے دسوں گنا زیادہ ہے۔ اور امت کی اس اجتماعی حالت کے تین نتیجے ہیں۔ ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ یہ امت اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور مدد سے محروم کر دی گئی ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ مٹھی بھر مسلمان ساری دنیا کے مقابلے میں بھاری تھے، جدھر قدم اٹھتے تھے آسمانی نصرت ساتھ ساتھ چلتی تھی اور ہر میدان میں "نصرٌ من اللہ وفتحٌ قریب" کا وعدہ پورا ہوتا دکھائی دیتا تھا۔ اور آج یہ حال ہے کہ ایک ایک ملک میں کئی کئی کروڑ ہونے کے باوجود ان کا کوئی وزن اور کوئی اثر نہیں ہے۔ اللہ کی مدد سے موجودہ دور کے مسلمانوں کی محرومی کی ایک نہایت عبرتناک اور سبق آموز مثال اسرائیلی حکومت کے مقابلہ میں عرب حکومتوں کی بے بسی ہے۔ کہیں بالشت بھر زمین پر بھی یہودیوں کی کوئی حکومت نہیں تھی، امریکا اور برطانیہ کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں نے اپنی خاص اغراض کے لئے عرب حکومتوں کے سینہ میں یہودی حکومت کا گھونسا گاڑا، لیکن ساری عرب حکومتیں مل کر بھی اس شرارت اور شیطنت کو نہ روک سکیں اور آج تک اس کے مقابلے میں بے بس ہیں، اور یہ تو میں نے ایک مثال دی ورنہ مسلمانان عالم پر ہر روز جو گزرتی ہے اور عالم اسلامی میں آئے دن جو واقعات پیش

آتے رہتے ہیں وہ اس حقیقت کا روشن ثبوت ہیں کہ اس دور میں مسلمان من حیثیت القوم اللہ کی خاص مدد سے محروم ہیں۔ وہ ایک وقت تھا کہ مسلمان قوم کی مصلحت کا تقاضہ اگر تیز ہواؤں کیلئے ہوتا تو اللہ کی طرف سے تیز ہوائیں اور آندھیاں چھوڑ دی جاتی تھیں اور جب مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہوتی کہ ہوا ساکن ہو جائے تو ہوا ساکن کر دی جاتی تھی اور جب مسلمانوں کے حالات کا تقاضا یہ ہوتا کہ بارش ہو جائے تو آسمان سے بارش برستی اور جب بارش کے رک جانے میں مسلمانوں کی مصلحت ہوتی تو بارشیں روک دی جاتیں۔ غزوۂ احزاب اور غزوہ بدر میں آندھیوں اور بارشوں سے مسلمانوں کی جو مددیں کی گئیں ان کا ذکر تو روایات کے علاوہ قرآن مجید میں بھی ہے ... بہرحال مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت والی زندگی تھی تو اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی مخفی طاقتوں سے ان کی مدد کرتا تھا اور اس کے نتیجے وہ ہوتے تھے جو قرن اول کی تاریخ میں ہم اور آپ پڑھتے ہیں۔ اور جب سے مسلمانوں کی عام زندگی میں شر اور فساد کا غلبہ ہو گیا اور ان کی اجتماعی حالت رحمت اور نصرت کے قابل نہیں رہی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے ازلی قانون کے مطابق ان کو اپنی مدد سے محروم کر دیا۔ اور اب دنیا میں ان کی حالت وہ ہے جو ہم اور آپ عرب و عجم میں آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔ اور خاص کر ہم ہندستانی مسلمان مدت سے اس کا مزہ چکھ رہے ہیں ۔ پس مسلمانوں کی اس بگڑی ہوئی حالت کی ایک سزا تو خداوندی مدد سے اُن کی یہ محرومی ہے جو مدتوں سے اس دنیا میں ان کو مل رہی ہے ۔ اور دوسری سزا مرنے کے بعد قبر اور حشر کی سختیاں اور پھر خدانخواستہ دوزخ کا عذاب ہے جو دنیا کی ساری ذلتوں اور مصیبتوں سے ہزاروں گنا زیادہ تکلیف دینے والا ہے ۔ البتہ دنیا اور آخرت کی جزا و سزا کے قانون میں یہ فرق ہے کہ دنیا میں کسی قوم کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا معاملہ اس کی عام حالت اور مجموعی حیثیت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور آخرت میں ہر شخص کے ساتھ اس کے اعمال کے مطابق معاملہ ہو گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

"كُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا" (یعنی قیامت کے دن ہر بندہ انفرادی حیثیت سے آئے گا)

بہر حال اگر ہم نے اپنی دینی حالت درست نہ کی اور ہماری زندگی میں خدا فراموشی اور نافرمانی کا غلبہ رہا تو اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یقینی اطلاع ہے کہ مرنے کے بعد کی منزلوں میں ہمیں بڑی سخت تکلیفیں اور بہت دردناک سزائیں بھگتنی پڑیں گی، ایسی تکلیفیں اور ایسی سزائیں جن کا ایک لمحہ بھی اس دنیا کی ساری عمر کی تکلیفوں اور دکھوں سے زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جا بجا فرمایا گیا ہے۔ "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" ۔ "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ" ۔ "وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ" ۔

میرے بزرگو اور بھائیو! اللہ پاک کی مقدس کتاب اور اس کے صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خبردار کیا تھا کہ اگر تم نے بجائے اطاعت و فرماں برداری کے نافرمانی کی زندگی اختیار کی تو دنیا میں رحمت و مودت سے محروم کئے جاؤ گے اور ذلتیں اٹھاؤ گے اور ٹھوکریں کھاؤ گے اور مرنے کے بعد قبر میں اور حشر میں ایسی ایسی تکلیفوں اور دکھوں میں مبتلا کئے جاؤ گے اور اس کے بعد اگر دوزخ میں ڈالے گئے تو وہاں ایسے ایسے سخت عذاب دیکھو گے۔ پس دنیا کے بارے میں جو کچھ ہم سے فرمایا گیا تھا۔ وہ سب ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ جو کچھ آخرت کے بارے میں فرمایا گیا وہ بھی اسی طرح آنکھوں کے سامنے آجانے والا ہے۔

مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی کے دو نتیجوں کا اب تک میں نے آپ حضرات کے سامنے ذکر کیا ہے، اب میں ایک تیسرے نتیجہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ میرے دینی بھائیو! ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے اور سب ملکوں اور سب قوموں کے لئے رسول بن کر آئے تھے، آپ جب تک دنیا میں رونق افروز رہے، برابر اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے کہ اللہ

کے زیادہ سے زیادہ بندے آپ سے ہدایت حاصل کریں اور اللہ کی رضا اور جنت کے مستحق بنیں اور جب آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لئے امت کی طرف منتقل فرما کے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ کے بعد آپ کی امت اس کی ذمہ دار ہے کہ آپ کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے برابر جدوجہد کرتی رہے۔

لیکن اب مدت دراز سے صورت یہ ہے کہ خود آپ کی امت کی حالت آپ کے اس مشن کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جو لوگ انسانوں کے مزاج اور ان کی فطرت سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو تحقیق اور مطالعہ سے یا کوئی دعوتی اور تبلیغی تقریر سن کر کسی دین کو قبول کرلیں لیکن اگر کسی دین کے ماننے والوں کی عام عملی اور اخلاقی حالت دنیا میں ممتاز ہو اور ان کی زندگی اور سیرت یہ شہادت دیتی ہو کہ ان کا دین بہترین دین ہے اور یہ اللہ کے اچھے بندے ہیں تو افراد ہی نہیں، بلکہ قومیں کی قومیں اور ملک کے ملک ان سے متاثر ہو کر ان کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کے زمانے میں اسلام ملکی فتوحات کے ساتھ نہیں پھیلا، بلکہ جب کوئی ملک فتح ہوا اور اس کا نظم و نسق مسلمانوں نے سنبھالا اور وہاں کے عوام کا ان مسلمان حکمرانوں سے واسطہ پڑا تو ان کی پاک اور خدا پرستانہ زندگی سے متاثر ہو کر وہاں کے عوامی طبقوں نے اسلام کو اپنا دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ خود ہمارے اس ملک ہندوستان میں بھی یہاں کے قدیم باشندوں نے ان صوفیائے کرام کی پاکیزہ زندگیوں ہی سے متاثر ہو کر اسلام کو اپنایا تھا۔ جو شروع میں اس ملک میں غیر فاتحانہ طور پر آئے تھے ــــ لیکن اب صدیوں سے یہ سلسلہ بند ہے اور اس لئے بند ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اب کسی کے دل میں اسلام کی عظمت اور محبت نہیں پیدا کرتی ــــ غیر مسلم اپنے مسلمان پڑوسیوں کو ان کے گھروں اور محلوں میں دن رات دیکھتے اور برتتے ہیں۔ بازاروں میں ان کے ہاتھ سودا بیچتے اور ان سے سودا خریدتے ہیں۔ اسکول اور کالجوں میں غیر مسلم طالب علم اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ پڑھتے

اٹھتے اور بیٹھتے ہیں، اسی طرح دفتروں اور کارخانوں میں، عدالتوں اور کچہریوں میں، ریلوے اسٹیشنوں پر اور ریل گاڑیوں میں، روزانہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن مسلمان کی زندگی پاکیزگی اور خدا پرستی میں، دیانت داری اور راستبازی میں کہیں بھی غیر مسلموں سے ممتاز نظر نہیں آتی، جو برائیاں عام غیر مسلموں میں ہیں وہ سب بلکہ ان سے کچھ زیادہ آج مسلمان کہلانے والوں میں ہیں۔ ایسی صورت میں کسی غیر مسلم کے دل میں اسلام کی طرف آنے کا داعیہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے بلکہ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے کسی بندے کے دل میں اگر کسی وجہ سے اس کا جذبہ پیدا بھی ہوتا ہے کہ تو مسلمانوں کی موجودہ بگڑی ہوئی زندگی اس جذبہ کو وہیں ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ خود میرے علم میں ایسے بہت سے واقعات ہیں۔

آپ حضرات ذرا سوچیں، ہمارا اور آپ کا ایمان ہے کہ اسلام بہترین مذہب ہے اور اسلامی تعلیم عین فطرت کے مطابق ہے اور اس میں محبوبیت اور کشش ہے لیکن کیا بات ہے کہ ہمارے اس ملک میں بھی اور دوسرے بہت سے ملکوں میں بھی دو دو سو اور چار چار سو سال سے بہت سے غیر مسلم خاندان اور مسلمان ایک ہی محلہ میں برابر برابر بسے رہے ہیں نسلیں کی نسلیں گزری چلی جا رہی ہیں۔ لیکن غیر مسلم خاندان کے کسی فرد کے دل میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ میرے مسلمان پڑوسی کا دین اور اس کا طریقۂ زندگی بڑا اچھا ہے، میں بھی اسی دین اور اسی طریقہ کو کیوں نہ اپنا لوں۔ میں اللہ پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مسلمانوں کی عام زندگی بگڑی ہوئی نہ ہوتی۔ اور وہ اپنے اعمال اور اخلاق میں پورے مسلمان ہوتے تو جن کے قریب رہنے والے ان کی زندگیوں میں اسلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھ سکتے تو مسلمانوں کے قریب رہنے والے غیر مسلم خاندان اسلام کو اپنا دین بنانے پر مجبور ہو جاتے۔ اگر بالفرض ایک نسل غور نہ کرتی تو دوسری نسل غور کرتی اور دوسری نسل بھی اگر بالفرض نہ سوچتی تو تیسری نسل سوچنے پر مجبور ہو جاتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک اچھائی کو کھلی آنکھوں برابر دیکھا جائے اور اس کو اپنا لینے کا دل میں ارادہ کبھی پیدا ہی نہ ہو۔

الغرض یہ واقعہ ہے کہ اسلام کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں کی غالب اکثریت کی وہ زندگی ہے جو اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ مگر دنیا اسی کو دیکھ کر اسلام کے بارے میں رائے قائم کرتی ہے یہ چیز خواہ منطقی طور پر میرے اور آپ کے نزدیک کتنی ہی غلط ہو لیکن واقعہ یہی ہے۔

اب میں ایک بات اس سلسلہ میں اور کہتا ہوں چاہے آپ کو وہ کتنی ہی بُری اور کڑوی لگے، مگر ہے وہ بالکل حق، اس لیے ضرور کہوں گا۔۔ سنئے اور غصہ ہونے کے بجائے ٹھنڈے دل سے سوچئے۔ اسلام کے دشمنوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت کچھ زہر اُگلا ہے۔ اور مجھے معلوم ہے کہ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا یہ شیطانی سلسلہ اب تک جاری ہے اور جب کبھی ہمیں اور آپ کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دریدہ دہن نے اسلام کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو اپنی شیطنت اور بدتمیزی کا نشانہ بنایا ہے تو ہمارا خون کھول جاتا ہے۔ اور جذبات پر قابو رکھنا ہمارے لیے مشکل ہو جاتا ہے (اور بلاشبہ یہ ہمارے ایمان کا تقاضا ہے) لیکن خدارا یہ سوچئے کہ دشمنوں کی کسی کتاب، کسی مضمون اور کسی تقریر نے بھی دنیا کو اسلام کی طرف اور پیغمبر اسلام کی طرف آنے سے اتنا روکا ہے جتنا کہ خود مسلمانوں کی بداعمالیوں نے روکا ہے۔ دنیا کی قومیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اسلام کی طرف جو صدیوں سے نہیں آرہی ہیں، خدارا بتلایئے کہ اس میں دشمنانِ اسلام کی کتابوں، تقریروں اور مضمونوں کا زیادہ دخل ہے یا ہماری بداعمالیوں کا۔ پھر ہمیں اپنے اوپر غصہ کیوں نہیں آتا ہے اور ہم اپنی اس زندگی کے خلاف کیوں جنگ نہیں کرتے جو اسلام کے خلاف دُنیا کے سامنے ایک کھلی ہوئی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے۔

میرے بھائیو! دشمنانِ اسلام، اسلام کے خلاف یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو ناپاک کتاب یا مضمون لکھتے ہیں اس کو خاص خاص ہی لوگ پڑھتے ہیں۔ اور جو پڑھتے ہیں وہ بھی بس ایک دفعہ پڑھ کر رکھ دیتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کی بگڑی ہوئی زندگی

روسی کتاب ہے بلکہ وہ پوسٹر ہے جسے ہر غیر مسلم ہر وقت پڑھتا ہے، بازاروں میں پڑھتا ہے، دفتر میں پڑھتا ہے، کارخانے میں پڑھتا ہے، کلب میں پڑھتا ہے، ریل میں پڑھتا ہے، موٹر بس میں پڑھتا ہے۔ پس اگر واقعی ہمیں اسلام سے محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ایمانی تعلق ہے تو اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہمیں جان کی بازی لگا دینی چاہیے۔ اس کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ اس صورت حال کو بدلنے کے لئے ہمیں اور آپ کو کیا کرنا چاہیئے۔

اس سلسلے میں اس وقت صرف ایک مختصر سی بات میں آپ سے کہتا ہوں، آپ میں سے ہر شخص دو باتوں کا فیصلہ کرے۔ ایک یہ کہ وہ اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر کرے گا اور دوسری یہ کہ وہ اپنے حالات اور اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی اس کے لئے کچھ کوشش کرے گا۔ اپنی زندگی کی درستی کا مسئلہ کوئی بہت مشکل اور ٹیڑھا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ سیدھا اور آسان ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری میں اب تک جو کوتاہیاں غفلت سے یا نفس کی شرارت سے ہوئیں ان سے سچے دل سے توبہ کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی جائے اور آئندہ کے لیے اطاعت و فرماں برداری کا پختہ ارادہ اور عہد کر لیا جائے اور اگر بالفرض پھر شیطان کے یا نفس کے بہکانے سے کوئی کام اللہ و رسول کے حکم کے خلاف ہو جائے تو پھر اس سے توبہ کر لی جائے اور معافی مانگ لی جائے۔ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو اپنی زندگی کی درستی کا سامان کر لیا اور اللہ اور اس کے رسول سے ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑ لیا۔

ممکن ہے آپ میں بعض بھائی ایسے ہوں جو کچھ ایسے گناہوں میں بھی پھنسے ہوئے ہوں کہ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے ان کے چھوڑ دینے کا اس وقت فیصلہ اور عہد نہ کر سکتے ہوں تو وہ ایسا کریں کہ اب تک جو گناہ ان سے ایسے ہوتے رہے ہوں جن کو چھوڑ دینے کا وہ اس وقت بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ وہ توبہ کر کے آئندہ زندگی میں ان سب گناہوں

سے بچنے کا تو ابھی فیصلہ کر لیں۔ اور جن گناہوں سے بچنے کا فیصلہ کسی وجہ سے اس وقت ان کے لئے مشکل ہے وہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کریں کہ اے اللہ ہمارے حالات ایسے کر دے اور ہم کو اتنی ہمت دے کہ فلاں فلاں گناہ بھی ہم قطعی طور سے چھوڑ دیں اور پھر اپنی استطاعت کی حد تک وہ اس کے لئے خود بھی کوشش جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ان گناہوں سے بچنے کا فیصلہ کرنا بھی ان کے لئے ایک دن آسان ہو جائے گا۔

اسی کے ساتھ میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اس توبہ کے ساتھ آپ اپنے کو چند ایسی باتوں کا پابند بنا لیں جن سے اس توبہ پر استقامت میں آپ کو مدد ملے اور اللہ و رسول کے ساتھ آپ کا تعلق برابر بڑھتا رہے اور آپ کے دین میں برابر ترقی ہوتی رہے۔ سن لیجئے وہ چند باتیں یہ ہیں:۔

کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ جو بندہ کی طرف سے توحید و رسالت کی شہادت اور اللہ کی بندگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا گویا اقرار نامہ ہے، آپ اپنے کو اس کا عادی بنائیں کہ دھیان کے ساتھ اور عہد و پیمان اور شہادت کے طور پر اس کلمہ کو پڑھ کر بار بار اپنا ایمان تازہ کیا کریں، بلکہ شروع میں یہ بہتر ہو گا کہ اس کی ایک تعداد اور وقت مقرر کر لیں۔ مثلاً سو مرتبہ یا کم سے کم دس ہی مرتبہ آپ ہر روز صبح یا شام کو پورے دھیان کے ساتھ اس کلمہ شریف کو پڑھا کریں۔

دوسری بات اس سلسلے کی یہ ہے کہ نماز ان شاء اللہ آپ سب پڑھتے ہی ہوں گے اور جو بھائی اب تک پورے پابند نہ تھے ان شاء اللہ وہ بھی اب توبہ کے بعد پابندی سے پڑھا کریں گے، تو آپ سب اس کی عادت ڈالیں کہ آپ کی نماز دھیان اور خشوع و خضوع والی نماز ہو۔ جس کا ادنیٰ اور کم سے کم درجہ یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور خوف ہو اور یہ دھیان رہے کہ میں اللہ کے حضور میں حاضر ہوں، جب آپ

کھڑے ہوں تو یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہوں اور میرا اللہ مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے، اسی طرح جب رکوع یا سجدہ میں آپ ہوں تو اس وقت بھی یہی دھیان ہو کہ اللہ کے سامنے جھک رہا ہوں اور اس کے لئے سجدہ کر رہا ہوں اور وہ مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے۔ نماز کے بارے میں میں اس وقت اس سے زیادہ تفصیل نہیں کر سکتا جو بھائی اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ مجھ سے میری قیام گاہ پر مل کر زبانی بات کر لیں یا میری کتاب "نماز کی حقیقت" کہیں سے حاصل کر کے اس کا مطالعہ کریں۔

تیسری بات اس سلسلہ کی یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ اللہ کے کچھ ذکر کی عادت ڈالیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے ذکر کے جن کلمات کی تعلیم دی ہے ان میں کلمہ تمجید "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" نہایت ہی جامع کلمہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ثنا و صفت کے سب پہلو آجاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ صبح و شام کم از کم سو سو دفعہ یہ کلمہ پڑھ لیا کریں، اس کے ساتھ سو سو ہی دفعہ استغفار اور درود شریف بھی پڑھ لیا کریں۔ یہ ذکر کا بہت ہی مختصر نصاب ہے، آپ میں سے جو حضرات اس سے زیادہ کریں وہ کسی صاحب ذکر بندہ سے اپنے بارے میں مشورہ کر لیں۔ بہر حال زندگی کی درستی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو بھی خاص دخل ہے بشرطیکہ یہ ذکر اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دھیان کے ساتھ ہو اور زبان کے ساتھ دل و دماغ کا بھی اس میں حصہ ہو۔

چوتھی اور آخری چیز اس سلسلہ کی یہ ہے کہ دو چار منٹ کا کوئی مناسب وقت مقرر کر کے آپ اپنی موت کا مراقبہ کیا کریں یعنی اپنے خیال اور ذہن کو ہر طرف سے یکسو اور ہر چیز سے خالی کر کے سوچا کریں کہ دنیا میں جس طرح موت کا سلسلہ جاری ہے اسی طرح ایک دن مجھے بھی موت آئے گی، میری روح قبض کی جائے گی، پھر غسل و کفن اور نماز جنازہ کے بعد مجھے قبر میں دفن کر دیا جائیگا اس تنہائی کے عالم میں مجھ پر کیا گزرے گی، پھر جب اللہ کے حکم سے قیامت قائم ہو گی اور میں بھی اٹھایا

جاؤں گا تو میرا کیا حال ہوگا، پھر جب عدالت خداوندی میں حساب کے لئے کھڑا کیا جاؤں گا اور میرا اعمال نامہ میرے سامنے ہوگا تو اس وقت کیا عالم ہوگا، یہ سب اس طرح سوچا جائے کہ دل کی آنکھوں کے سامنے ان سب منزلوں کا نقشہ کھنچتا چلا جائے اور دل میں خوف اور ہیبت ہو۔ پھر یہ یقین کرکے کہ بس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت ہی سے بیڑا پار ہوگا اپنے گناہوں سے توبہ کرکے جہاں تک ہو سکے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے۔

یہ چار باتیں جو میں نے اس وقت بتلائی ہیں یہ نہ سمجھا جائے کہ بس سارا دین یہی ہے اور ان کی پابندی کرنے سے آدمی پورا دیندار ہو جاتا ہے۔ البتہ امید یہ ہے کہ اگر آپ نے ان کو اپنا لیا اور پابندی سے آپ یہ کرنے لگے تو انشاء اللہ آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے روز بروز برابر بڑھتا جائے گا اور آپ کی زندگی سنورتی چلی جائے گی۔

دوستو اور دینی بھائیو! اپنی اپنی زندگی درست کرنے کے لئے تو ایک عام مشورہ میں نے آپ کو دیدیا لیکن امت کی زندگی میں عام تبدیلی اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ اس کے مقصد کے لئے دینی پیمانہ پر پوری طرح جد و جہد کی جائے اور ہم میں سے ہر شخص اس کو بھی اپنی زندگی کا جزء بنائے۔ اب وقت میں گنجائش نہیں ہے کہ میں اس کا طریقہ کار آپ کے سامنے بیان کروں صرف اتنا کہہ کر اب بات ختم کرتا ہوں کہ "تبلیغ" کے نام سے جو عمومی جد و جہد ہو رہی ہے جس کی دعوت لے کر کبھی کبھی جماعتیں آپ کے یہاں بھی آتی ہیں اس کا مقصد یہی ہے اور ان جماعتوں کے ساتھ کچھ وقت گزار کے آپ اس کے طریق کار کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

واآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دنیا اور آخرت کے بارے میں ہمارا رویہ

اصلاح کی ضرورت اور اس کی صورت

یہ تقریر بھوپال کے تبلیغی اجتماع منعقدہ جنوری ۵۶ء میں
کی گئی تھی

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلوات اللہ تعالیٰ علیھم وعلیٰ کل من تبعھم باحسان

دوستو اور دینی بھائیو!

ایک دنیا یہ ہے جس میں ہم اور آپ رہتے بستے ہیں اور جس میں ہماری زندگیوں کا ایک حصہ گزر چکا ہے اور کچھ باقی ہے، اس دنیا کی چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں یہاں کی آوازوں کو کانوں سے سنتے ہیں، یہاں کی خوشبو بدبو کو ہم سونگھ کر جان لیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کی سردی گرمی اور سختی نرمی کو چھو کر اچھے برے مزہ کو چکھ کر دریافت کر لیتے ہیں۔ الغرض ہماری یہ دنیا ایسی دنیا ہے کہ اس کو ہم خود اپنے خداداد علم سے جانتے ہیں اور کوئی ہمیں بتائے یا نہ بتائے ہم اس کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم خود اپنے علم سے اور اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دنیا میں آرام اور راحت بھی ہے اور تکلیف اور مصیبت بھی ــــ یہاں کی بھوک پیاس، بیماری آزاری، زیادہ سردی اور زیادہ گرمی، یہاں کی تکلیف کی چیزیں ہیں اور اسی طرح تندرستی، خوش حالی، کھانے پینے کی اچھی چیزیں، اچھا موسم، اچھی ہوا، اچھا مکان، اچھی فضا یہ یہاں کی آرام اور راحت کی چیزیں ہیں۔

پھر یہ بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانتے ہیں کہ یہاں کی ہماری زندگی ایک محدود مدت کے لیے ہے اور یہاں کی ہر تکلیف و مصیبت اور عیش و راحت بھی محدود وقت اور چند روزہ ہے، کتنے ہی پیدا ہونے والے جوانی سے بھی پہلے

بچپنے ہی میں چل دیتے ہیں۔ اور کتنے ہی جوانی میں چلے جاتے ہیں اور جن کو جوانی کی بہار دیکھنے کا موقع ملتا ہے بڑھاپے میں وہ بھی چلے ہی جاتے ہیں۔ آج کل ۸۰ ــ ۹۰ سال کی عمر بھی کسی کو کم ہی ملتی ہے ــــ بہر حال ہم اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے جس طرح اس دنیا کو جانتے ہیں اسی طرح یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی ہر تکلیف و راحت بس چند روزہ ہے،

لیکن ہم اور آپ اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا کو بھی مانتے ہیں، وہ مرنے کے بعد والی اور آخرت کی دنیا ہے جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کسی اور طریقہ سے ہم نے اس کو اپنے علم سے جانا ہے بلکہ اس کی خبر اللہ کے پیغمبروں نے دی ہے جن کی سچائی پر ہمیں پورا یقین ہے۔

ہماری اس دنیا میں بھی جس میں ہم رہ بس رہے ہیں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ دوسرے لوگوں سے سن سن کر ہی ہم ان پر یقین لے آئے ہیں۔ میں نے اور آپ نے لندن نہیں دیکھا، پیرس بھی نہیں دیکھا، ماسکو اور نیویارک نہیں دیکھا، لیکن دوسروں سے سُن سُن کر اور اخباروں میں پڑھ پڑھ کر دنیا میں ان شہروں کے ہونے کا ہم سب کو ایسا یقین ہو گیا ہے کہ آج اگر کوئی شخص ان شہروں کے وجود سے انکار کرے تو ہم سب اس کو دیوانہ اور پاگل سمجھیں گے۔ اسی طرح ایٹم بم کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے اور اس کی ہلاکت خیزی کا ہم میں سے کسی نے بھی تجربہ نہیں کیا ہے لیکن دوسروں سے سُن سُن کر اور اخباروں میں پڑھ پڑھ کر اس کا بھی ہم کو ایسا یقین ہو گیا ہے کہ اس میں شک کرنے والے کو بھی ہم دیوانہ یا گنوار سمجھیں گے، اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ آخرت کو اور وہاں کی تکلیفوں اور راحتوں کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے۔ لیکن اللہ کے پیغمبروں، خاص کر آخری پیغمبر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کے بیان سے ہم نے اس کو جانا اور مانا ہے۔ ــــــ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اپنے اپنے وقت

میں اللہ کے سب پیغمبروں نے یہی بتایا کہ موت سے انسان کا بالکل خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ انسان دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی روح جو انسان کی اصل حقیقت ہے وہ دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے، اس لیے موت کو انتقال بھی کہتے ہیں ــــ اس کی ایک مثال ہم پر بھی گذر چکی ہے جس کی وجہ سے اس کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے، ہم میں سے ہر ایک اس دنیا میں آنے سے پہلے چند مہینے اپنی ماں کے پیٹ میں رہا ہے، ذرا سوچئے اگر کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے جس کے ذریعہ پیٹ کے بچہ تک بات پہنچائی جاسکے اور اس سے کہا جائے کہ اے بچے! اس وقت تو جس دنیا میں ہے یہ اصل دنیا نہیں ہے، اصل دنیا میں تو چند دنوں کے بعد پہنچے گا اور وہ لاکھوں کروڑوں میل کی لمبی چوڑی دنیا ہے. اس میں دریا ہیں، پہاڑ ہیں، جنگل ہیں اور اربوں انسان بس رہے ہیں. ریلیں چل رہی ہیں، موٹریں دوڑ رہی ہیں، ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں، حکومتیں قائم ہیں، جنگیں ہوتی ہیں، توپیں چلتی ہیں ــــ الغرض اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اگر ماں کے پیٹ کے بچہ سے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کو بتایا جائے کہ چند دن کے بعد تو بھی اس دنیا میں پہنچ جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بچہ جو ابھی اپنی ماں کے پیٹ کی ایک بالشت کی دنیا میں ہے اور اس سے باہر کی کسی بات کو جانتا ہی نہیں، وہ اگر باتوں کو کسی طرح سمجھ بھی لے تو بھی آسانی سے یقین نہ کر سکے گا، لیکن پیدا ہونے کے بعد جب وہ اس دنیا میں آئے گا اور کچھ دیکھنے سمجھنے کے لائق ہو جائے گا تو ان سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، بالکل یہی مثال ہماری اس زندگی کی اور عالم آخرت کی ہے، ہم اس دنیا میں ہیں تو اس دنیا سے آگے کی کسی بات کو خود نہیں

جان سکتے اور اپنی ان آنکھوں سے آگے کی کوئی منزل نہیں دیکھ سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عالم آخرت کا علم دیا ہے انھوں نے ہمیں بتایا اور سب سے زیادہ وضاحت اور تفصیل سے خدا کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مرنے کے بعد تم ایک دوسرے عالم اور دوسرے جہاں میں پہنچ جاؤ گے جس کی پہلی منزل عالم برزخ ہے (یعنی موت سے لیکر قیامت تک جہاں اور جس حال میں رہنا ہو گا) دوسری منزل حشر اور حساب کی منزل ہے جہاں ہر شخص کے اعمال کی جانچ اور ان کا فیصلہ ہو گا اور اس سے آگے آخری منزل دوزخ یا جنت کا دائمی ٹھکانا ہے، پھر دوزخ میں جو طرح طرح کے دردناک عذاب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شان قہاری کے جو نہایت ہیبتناک منظر سامنے آئیں گے ان کو بھی آپ نے تفصیل سے بتلایا اور جنت میں عیش و راحت اور لذت و مسرت کے جو بے انتہا سامان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و کرم کے جو نئے نئے تجربے اور مشاہدے ہوں گے ان کی بھی آپ نے پوری تفصیل فرمائی۔

میں مانتا ہوں کہ اس زندگی میں ان باتوں میں سے کسی ایک کو بھی ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے اور نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمارا یہ نہ دیکھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ کی منزل میں کسی بچہ کا اس دنیا کو نہ دیکھ سکنا۔ اور جس طرح ہر بچہ یہاں آجانے کے بعد وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو آنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتا تھا، اسی طرح ہمیں یقین ہے اور ہم اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ اس دنیا سے جانے کے بعد ہم میں سے ہر ایک وہ سب کچھ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لے گا جسکی اطلاع اللہ

کے سارے سچے نبیوں اور رسولوں نے دی ہے اور سب سے آخر میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تفصیل اور وضاحت سے دی ہے،

بہر حال ہمیں کہنا یہ ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے ہم اور آپ جو اپنے کو مسلمان کہتے اور کہلاتے ہیں، آخرت والی دنیا کو مان چکے ہیں اور اس پر ایمان لا چکے ہیں ـــــ بلکہ اللہ تعالےٰ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اور اس کی آخری کتاب قرآن مجید نے آخرت اور دوزخ و جنت کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ہم اور آپ ان تفصیلات پر بھی ایمان لائے ہیں ـــــ

مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح ہماری زندگی میں بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوتی ہے اسی طرح دوزخ میں بھی دوزخیوں کو بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوگی جو یہاں کی اس تکلیف سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگی ـــــ پھر اگر یہاں کسی کو بھوک لگے اور اسے کہیں سے کھانے کی کوئی چیز نہ ملے تو بس یہی تو ہوگا کہ دو چار ہفتے تڑپ تڑپا کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدے گا اور اس طرح موت کے ساتھ اس کی بھوک کی تکلیف کا بھی خاتمہ ہو جائے گا لیکن دوزخ میں دوزخی ہزاروں لاکھوں سال بھوک پیاس کی شدید تکلیف میں تڑپے گا اور اس سے چھٹکارا دینے کے لئے اسے موت بھی نہ آئے گی، قرآن مجید کا بیان ہے " وَلَا یُقْضٰی عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا " آخرت کے عذاب کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان میں سے بس دو باتیں اور سن لیجئے۔ ان سے اندازہ ہو جائے گا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف کو بھی

آخرت کی تکلیفوں سے کیا نسبت ہے ــــــ خیال کیجئے! اس دنیا میں اگر کسی زندہ آدمی کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے تو بس چند منٹ میں جل بھن کر اور تڑپ تڑپا کر جان دیدے گا، اور چند منٹ کی یہ تکلیف بھی ایسی ہوگی کہ جس بیچارہ پر گزرے گی اس کا تو کیا ذکر، دیکھنے والوں کے بھی ہوش خراب ہوجائیں گے اور کتنوں پر اختلاج کے دورے پڑجائیں گے لیکن قرآن مجید میں دوزخیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے اور ان کے جسم کی کھالیں پک پک جائیں گی اور پھر ان کی جگہ نئی کھال آجائے گی اور پھر اسی طرح وہ جھونکے جائیں گے، الغرض ان کو یہ عذاب مسلسل دیا جاتا رہے گا ــــــ قرآن مجید کے الفاظ ہیں۔

كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ــــــ اللهم احفظنا!

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیجئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:- دوزخ میں جس شخص کو سب سے ہلکے درجہ کا عذاب ہوگا اس کا حال یہ ہوگا کہ اس کے پاؤں کے تلوے کے نیچے دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری رکھ دی جائے گی جس سے اس کا بھیجا سر میں اس طرح پکے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی پکتی ہے اور اس کا اپنا اندازہ اور احساس یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ عذاب میں آج میں ہی ہوں،

میرے بھائیو! ہم آپ سب اس پر ایمان لائے ہیں کہ آخرت اور دوزخ کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اور قرآن مجید کے یہ بیانات بالکل صحیح ہیں یقینی ہیں ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اب اسی طرح جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات اس وقت ذہن میں تازہ کر لیجیے!

یوں تو جنت اور اہل جنت کے متعلق قرآن مجید میں بہت کچھ بیان فرمایا گیا ہے لیکن ایک بات کئی جگہ قرآن مجید میں ایسی کہی گئی ہے کہ جنت کے متعلق کچھ اندازہ کرنے کے لئے بس وہی کافی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ انسان کے دل اور اس کی طبیعت میں جو بھی خواہشیں اور جو بھی امنگیں اور آرزوئیں ہیں، اور ہو سکتی ہیں جنت میں ان سب کے پورا ہونے کا پورا سامان ہے اور وہ سب پوری کی جائیں گی۔ ارشاد ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

"وَلَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاؤُنَ" اور ایک تیسری جگہ فرمایا گیا ہے، "فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ" (یعنی جنت میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے جی چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھوں کو جس کے دیکھنے سے لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے)۔۔۔۔ سوچئے اس کے بعد باقی کیا رہا؟ ہمارا جی عیش و راحت والی اور لذت و مسرت والی ایسی زندگی کو چاہتا ہے جو کبھی ختم نہ ہو، جنت میں وہ موجود ہے، ہمارا جی اچھے مکانات کو چاہتا ہے جن سے نکلنے کا کبھی اندیشہ نہ ہو، جنت میں وہ بھی موجود ہیں، ہمارا جی اچھے کھانوں اور اچھے لذیذ میووں اور پینے والی اچھی خوش ذائقہ خوش رنگ چیزوں کو چاہتا ہے جنت میں وہ بھی موجود ہیں بلکہ ان کی نہریں بہہ رہی ہیں، ہمارا جی اچھی حسین اور سلیقہ دار اور خدا کو پسند کرنے والی بیویوں کو چاہتا ہے جنت میں وہ بھی موجود ہیں،

یہ تو عام انسانوں کی خواہش کی چند چیزوں کا میں نے ذکر کیا اور جنت میں بلاشبہہ یہ سب چیزیں بھرپور موجود ہیں۔ لیکن اس سے آگے اللہ تعالےٰ کی رضا، اللہ تعالےٰ کی وہ معرفت جس کا اس دنیا میں امکان نہیں اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالےٰ کی ملاقات اور اس کا دیدار، یہ جنت کی وہ نعمتیں اور لذتیں ہیں جن کی چاہت سے اللہ کے خاص بندوں کے سینے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالےٰ یقیناً اپنے ان چاہنے والوں کی اس چاہت کو بھی وہاں پورا کرے گا،

اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیجئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالےٰ نے اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے لئے جنت میں جو نعمتیں اور لذت و راحت کے جو سامان تیار کئے ہیں وہ ایسے اچھوتے اور انوکھے ہیں کہ کسی آنکھ والے کی آنکھ نے ان کی جھلک تک نہیں دیکھی اور کسی کے کان میں ان کی بھنک تک نہیں پڑی اور کسی کے دل میں ان کا خیال اور خطرہ بھی نہیں گزرا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں۔ "مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر"

ایک حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلہ میں اور سن لیجئے جس میں آپ نے جنت کے عیش اور دوزخ کے عذاب کی شدت کو ایک خاص عنوان سے سمجھانا چاہا ہے ——— آپ نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ تعالےٰ ایک ایسے شخص کو طلب فرمائے گا، جس نے دنیا میں خدا سے بے تعلق اور بے خوف ہو کر اور اس کے احکام سے بے پروا ہو کر کافرانہ شرارت کی زندگی گزاری ہو گی اور دنیا میں ایسے عیش و آرام سے رہا ہو گا

کہ کبھی کسی تکلیف کا اس نے منہ بھی نہ دیکھا ہوگا، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ
اس کو دوزخ کی ہوا کھلاؤ۔ فرشتے حکم کی تعمیل کریں گے اور اس کو
دوزخ کی ذرا آنچ دکھا کر نکال لائیں گے، اسی سے اس کا یہ حال ہو جائیگا
کہ سر سے پاؤں تک بس تکلیف اور بے چینی ہوگی چیخے گا اور تڑپے گا، پوچھا
جائے گا کیا حال ہے؟ بیچارہ اپنی تکلیف اور اپنے دکھ کا حال بیان کریگا
پھر پوچھا جائے گا کچھ یاد ہے کہ اس سے پہلی زندگی میں یعنی دنیا میں تو
کیسے عیش و آرام سے رہا تھا، وہ بندہ خالص قسم کھا کے کہے گا کہ خداوندا
میں نے عیش و آرام کی کبھی صورت بھی نہیں دیکھی، میں تو بس اس تکلیف
ہی کو جانتا ہوں جس میں اس وقت مبتلا ہوں، گویا دوزخ کی صرف
ہوا لگ جانے سے آدمی اس دنیا کی پوری زندگی کے عیش و راحت کو
بالکل بھول جائے گا ـــــــ حضورؐ فرماتے ہیں کہ پھر ایک ایسے نیک بندہ
کو بلایا جائے گا جو دنیا کی زندگی میں ہمیشہ تکلیف اور پریشانی ہی میں رہا
تھا اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ۔ ہمارے اس بندہ کو ذرا جنت کی ہوا
کھلاؤ فرشتے اس حکم کی بھی تعمیل کریں گے اور اس کو جنت کی فضا
میں سے گزار کر لے آئیں گے۔ بس جنت کی ہوا لگنے اور اس کی فضا میں
سے صرف گزر جانے سے اس بندہ کو ایسا چین و سکون اور ایسا عیش و
سرور حاصل ہوگا کہ پہلی زندگی کی ساری عمر کی تکلیف بھول جائے گا اور
جب اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ بندے کچھ یاد ہے کہ
پہلی زندگی کیسی تکلیف سے گزری تھی تو وہ عرض کریگا کہ میرے پیارے
پروردگار مجھے تو کسی تکلیف کی صورت دیکھنا بھی یاد نہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس پورے بیان کا حاصل یہی ہے کہ

آخرت کی تکلیفیں اور وہاں کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ اس دنیا کے عمر بھر کے عیش بھلا دے گا۔ اور اسی طرح وہاں کا عیش و آرام اور وہاں کی لذتیں ایسی ہیں کہ انھیں صرف دیکھ کر بندہ ساری عمر کی تکلیفیں بھول جائے گا۔

اب میں کہتا ہوں کہ دوزخ اور جنت کے متعلق قرآن و حدیث کے ان بیانات پر الحمدللہ ہمارا ایمان ہے اور ہم آپ سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب حق ہے اور اس دنیا سے جانے کے بعد ہم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ ہمیں اس میں ذرہ برابر بھی شک شبہ نہیں ہے،

میرے دینی بھائیو اور مخلص دوستو!

اب خدارا اپنی اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کی اس حالت پر غور کرو کہ دنیا کی جن حقیقتوں کا اور یہاں کی جن تکلیفوں اور آراموں کا اور جن نفعوں اور نقصانوں کا ہمیں اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے علم ہوا ہے، ان کا ہماری زندگی پر کتنا اثر ہے مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آگ جلا دیتی ہے تو اس علم کا ہم پر یہ اثر ہے کہ ہم بھول کے بھی آگ سے نہیں کھیلتے بلکہ جب کہیں آگ کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو اپنے جسم کو اور کپڑوں کو پوری طرح بچاتے ہوئے گزرتے ہیں اسی طرح ہم نے معتبر آدمیوں سے سن رکھا ہے کہ زہر آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے اور سانپ کے کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے تو کبھی ہم آزمائش کے خیال سے بھی زہر پی کر دیکھنے کی یا سانپ کو ہاتھوں میں لے لینے کی جرأت نہیں کرتے اسی طرح ہم میں کے جو غریب یہ جانتے ہیں کہ وہ اگر آج محنت مزدوری نہیں کریں گے تو کل ان کے بچوں کو فاقہ ہو جائے گا وہ گھر میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ آج کل کی دسمبر جنوری کی سخت کڑاکے کی سردی میں بھی اور

جون کی جھلسا دینے والی لو میں بھی وہ بیچارے باہر نکل کر مزدوری کرتے ہیں
اسی طرح ملازم پیشہ حضرات چونکہ جانتے ہیں کہ اگر ہم بر وقت ڈیوٹی
پر نہ پہونچیں گے تو ہم سے بازپرس ہوگی اور ہماری ملازمت خطرہ میں پڑ جائیگی
اس لئے خواہ جی چاہے یا نہ چاہے ڈیوٹی پر جانے اور وہاں کی مقررہ
خدمت انجام دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لئے کہ اس دنیا کے نفع نقصان
اور یہاں کے اپنے معاملات کے نتیجوں کا جو علم و یقین ہمیں اپنے ذریعوں سے
حاصل ہوا ہے وہ ہم سے یہ سب کچھ کرا لیتا ہے۔

اب دیکھئے کہ آخرت کے نتائج کے بارہ میں جو باتیں ہمیں اللہ کی
مقدس کتاب اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معلوم ہوئی
ہیں اور جن پر ہم ایمان لائے ہیں ان کے علم و یقین کا ہماری زندگی پر کتنا اثر
ہے؟ ــــ میرے نزدیک یہ کوئی باریک علمی مسئلہ نہیں جس کا سمجھنا کسی
کے لئے مشکل ہو، ہر شخص خود ہی سوچے کہ وہ دنیا کی آگ اور دنیا کے سانپوں
بچھوؤں سے بچنے کی جتنی فکر کرتا ہے کیا آخرت کی دوزخ والی آگ اور
دوزخ کے سانپوں بچھوؤں سے بچنے کی وہ اتنی فکر کر رہا ہے اور کیا یہاں
کی بھوک پیاس سے اور یہاں کی تکلیفوں مصیبتوں سے بچنے کے لئے وہ
جو محنت اور جیسی دوڑ دھوپ کرتا ہے کیا ویسی ہی وہ آخرت کی بھوک پیاس
اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے کر رہا ہے۔

اسی طرح ہر شخص سوچے کہ اس دنیا میں آرام اور عزت حاصل
کرنے کے لئے اور ترقی کے بلند درجوں پر پہونچنے کے لئے وہ جیسی فکر اور
جیسی جدوجہد کرتا ہے کیا جنت کا عیش اور آخرت میں سرفرازی اور

اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے بھی وہ ویسی ہی فکر اور جد وجہد کر رہا ہے؟

میرا خیال ہے اور آپ سب کا بھی غالباً یہی خیال ہوگا کہ ہم میں اکثر کا بلکہ قریب قریب سب کا حال اس کے خلاف ہے ـــــ

آخر ایسا کیوں ہے؟ ـــــ اس وقت میری اس گفتگو کا خاص مقصد یہی ہے کہ میں آپ کو اس سوال کی طرف اور اس صورتِ حال کی طرف توجہ دلاؤں۔

دوستو یہ معمولی بات نہیں ہے یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے ـــــ یہ وہ صورتِ حال ہے جو قرآن مجید نے ایمان نہ لانے والوں کی اور اللہ و رسول کی باتوں کا یقین نہ کرنے والوں کی بتلائی ہے ـــــ ایک جگہ ارشاد ہے: "كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ"

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا (یعنی ان کا حال یہ ہے کہ ان کو دنیا کی تو چاہت ہے اور آخرت کے مسئلہ کو انھوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے)

میرے بھائیو! میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ ہم سب ایمان سے خالی اور خدا اور رسول کے منکر ہو چکے ہیں، بلکہ میں اپنے بشری علم کے مطابق بحمد اللہ شہادت دے سکتا ہوں کہ ہم آپ جو یہاں ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور اس طرح کے ہمارے وہ سب بھائی جو دنیا کے کسی علاقے میں بھی بس رہے ہیں الحمد للہ ہم سب کے دلوں میں

ایمان موجود ہے اور ہم اللہ اور اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں اور ساری خبروں کو بالکل حق جانتے ہیں اور حق مانتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہماری زندگی ایمان والی نہیں ہے، یا دوسرے لفظوں میں اس کو آپ یوں کہہ لیجئے کہ ہماری زندگی ہمارے ایمان سے مطابقت نہیں رکھتی میں آپ کو بس اسی سوال کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟

اس کی اصل وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارا آخرت والا یقین جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ ہمیں ملا تھا، وہ ہمارے دنیا والے ان یقینوں کے مقابلہ میں کمزور ہوگیا ہے جو ہمیں اپنے مشاہدہ اور تجربہ وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اور ان کے نیچے گویا دب کر بے اثر اور بے جان ہوگیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا والا یقین ہم سے اپنے سارے تقاضے پورے کرا لیتا ہے لیکن آخرت والا یقین ہم سے اپنے تقاضے اور اپنے مطالبے پورے کرانے سے عاجز رہتا ہے ——

آپ اس کو واقعاتی مثالیں سامنے رکھ کر سوچیئے! مثلاً ایک شخص ہے اسکو اللہ ورسول کے حکموں کے مطابق زکوٰۃ دینی چاہیئے اب اپنے ذاتی علم و تجربے سے اس کو ایک یقین تو یہ ہے کہ جتنی رقم میں زکوٰۃ کی دوں گا میری دولت میں اتنی کمی ہو جائے گی اور اس طرح میرا مالی نقصان ہوگا، اور ایک دوسرا یقین یا عقیدہ اس کا یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے اس کا ادا نہ کرنا بہت بڑا جرم اور سخت ترین گناہ ہے جس کے نتیجہ میں آدمی کو دوزخ کا نہایت دردناک عذاب بھگتنا پڑیگا اب ظاہر ہے کہ اگر دوسرا یقین پہلے یقین کے مقابلہ میں زیادہ

طاقتور ہو اور اس سے دبا ہوا نہ ہو تو آدمی یقیناً زکوٰۃ ادا کرے گا لیکن اگر یہ دوسرا یقین کمزور ہو اور پہلا والا یقین زیادہ طاقتور ہو تو پھر زکوٰۃ اس کی جیب سے نہیں نکلے گی۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ ایک شخص حکومت کے کسی عہدہ پر ہے، کسی معاملہ میں اس کو ایک ہزار روپیہ کی رشوت پیش کی جاتی ہے اب اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے اس کو ایک یقین تو یہ ہے کہ یہ رقم اگر میں لے لوں گا تو اس سے میری دولت میں اضافہ ہوگا، میرے بہت سے کام نکلیں گے، اور دوسری طرف وہ بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات پر بھی یقین اور عقیدہ رکھتا ہے کہ رشوت حرام ہے اور اس کے لینے والے پر خدا کی لعنت ہے، اور دوزخ میں اس کو اس کا سخت ترین عذاب بھگتنا ہوگا، اب اگر وہ دوسرے یقین کو نظرانداز کر کے رشوت لے لیتا ہے تو اس کا سبب صرف یہی ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا یقین کمزور ہے اور پہلے یقین سے دبا ہوا ہے۔

الغرض ہماری زندگی میں جو یہ تضاد ہے کہ ہم عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان ہیں اور ہماری غالب اکثریت کی عملی زندگی ایمان و اسلام کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے، اس کی اصل وجہ اور علۃ العلل یہی ہے کہ ہمارا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے بارہ میں وہ یقین جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہمیں ملا تھا، نہایت کمزور ہو گیا ہے اور ہمارے دنیا والے وہ یقین جو ہمیں اور عام انسانوں کو اپنے مشاہدہ اور تجربہ وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اس پر پوری طرح غالب آگئے ہیں۔

صحابہ کرام کے حالات آپ نے سنے ہوں گے اور آپ میں سے بہت سے

حضرات نے کتابوں میں بھی پڑھے ہوں گے ان کی زندگی کا نقشہ ہمیں بالکل دوسرا
نظر آتا ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان کا آخرت والا یقین اتنا جاندار اور طاقتور
تھا کہ ان کے مشاہدہ اور تجربہ والے اس دنیا کے یقینوں پر غالب تھا، ایک تابعی
بزرگ غالباً سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے اصحاب کرام کو دیکھا ہے، ان کا امتیاز یہ نہیں تھا کہ وہ نماز روزہ جیسی عبادات
میں تم سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ آگے ان کے الفاظ ہیں "ولکنہ شیء وقرفی
قلوبھم" یعنی ان کا اصل امتیاز بس یہ تھا کہ ان کے دلوں میں اللہ اور آخرت کا
یقین ایسا جما تھا کہ ان کی پوری زندگی اور ان کا تمام ظاہر و باطن اس کے نیچے
دبا ہوا تھا، ہمارے لئے جس طرح یہ مشکل ہے کہ ہم اپنے مشاہدہ اور تجربہ والے
یقینوں اور ان کے تقاضوں سے بے فکر اور بے پرواہ ہو کر زندگی گزاریں اسی طرح
ان کے لئے یہ مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا تھا کہ اللہ اور یوم آخرت والے یقین اور اسکے
مطالبات سے آزاد ہو کر کوئی قدم اٹھا سکیں۔

میرے دوستو اور دینی بھائیو!

اب ہمارے اور آپ کے سامنے دو راہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دین اور ایمان کے
لحاظ سے اس وقت جو ہماری حالت ہے۔ ہم خدانخواستہ اس پر مطمئن ہوں اور
اس میں تبدیلی کے لئے ہم میں کوئی بےچینی نہ ہو، اور دن اسی طرح گزرتے رہیں اور ہم
اسی حال میں جیتے اور مرتے رہیں، مجھے یقین ہے کہ جب تک ہمارے دلوں میں
ایمان کا کوئی ذرہ ہے ہم اس راستہ کو شعوری طور پر ہرگز نہیں اپنا سکتے اور میں کہہ سکتا
ہوں کہ شاید آپ میں سے کوئی ایک بندہ بھی جان بوجھ کر اس کو پسند نہیں کرے گا۔
اور دوسری راہ یہ ہے کہ جس طرح ہم دنیوی زندگی کے بگاڑ سے اور یہاں کی
بیماریوں بربادیوں سے فکر مند ہوتے ہیں، اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے

جدوجہد کرتے ہیں اسی طرح ہم اپنے اسی دینی بگاڑ اور آخروی تباہی و بربادی سے فکرمند ہوں اور اپنی حالت کو درست کرنے کی اور اپنی زندگیوں کو ایمان والی زندگی بنانے کی جدوجہد کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا فیصلہ یہی ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کس طرح ہو؟ یہ تو میں آپ حضرات سے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے اس سارے بگاڑ کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہمارا ایمان والا یقین کمزور ہو گیا ہے اور دنیا والے ہمارے یقین اس پر غالب آ گئے ہیں، اس لئے اب ہمیں صرف اس کی جدوجہد کرنی ہے کہ ہمارے یقین کا کانٹا درست ہو جائے یعنی اس دنیا میں جو کچھ ہم اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے جانتے ہیں ہمیں اس پر بھی یقین ہو، لیکن اس سے بھی زیادہ گہرا اور پکا یقین ان باتوں پر ہو جو اللہ و رسولؐ کے بتلانے سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں، بس یہ ہے ہمارا اصل مسئلہ!

اس کے بعد میں آپ سے صاف عرض کرتا ہوں کہ اگر ہماری تقریروں سے ہی یہ بات حاصل ہو سکتی تو مسئلہ بڑا آسان تھا آپ کو کچھ بھی کرنا نہ پڑتا، ساری محنت ہم کرتے یا تقریر کرنے والے دوسرے حضرات کے پاؤں پکڑتے اور ان سے کہتے کہ امت میں ایمان والا یقین پھر سے پیدا کرنے کے لئے خوب تقریریں کیجئے، اور اس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھئے! اسی طرح میں صاف کہتا ہوں کہ اگر کوئی تعویذ کوئی وظیفہ کوئی ہمارا ایسا ہوتا کہ بس اس سے کام چل جاتا جب بھی مسئلہ بڑا آسان ہوتا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ کسی تعویذ اور وظیفہ سے کبھی یہ کام بننے والا نہیں ہے۔

ایمان والے یقین کو بڑھانے کی اور دوسرے دنیوی یقینوں پر اس کو غالب کرنے کی ہمیشہ سے ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو ایسے دینی اور ایمانی کاموں میں لگا دے جو ایمان و یقین کو بڑھانے والے ہوں، اور اگر اس کا ماحول ایمان و یقین کے لئے سازگار نہیں ہے تو کم از کم کچھ عرصہ کے لئے

کسی ایسے ماحول میں رہے جس میں ایمان ویقین کی ترقی کا سامان ہو، صحابہ کرام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت والا ایمان آفریں ماحول نصیب تھا اور انھوں نے اپنے کو دین کے ان کاموں میں پوری طرح جھونک دیا تھا جو ایمان ویقین کو بڑھانے والے تھے اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کا ایمانی یقین ان کے دوسرے تمام بشری معلومات پر غالب تھا پھر قرون اولیٰ کے بعد بزرگان دین یعنی صوفیائے کرام نے ایمان ویقین کی ترقی کے لئے جو راہ اختیار کی اس میں بھی بنیادی چیز یہی تھی،

ہمارا یہ دور عوامی تحریکات کا دور ہے اور ساتھ ہی دین کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کا دور ہے، اس دور میں اس مقصد کے لئے کسی ایسے طریقۂ کار اور ایسی جد وجہد کی ضرورت تھی جو عوامی بھی ہو اور بے طلبوں اور بےفکروں کو کھینچنے کا اس میں کچھ انتظام ہو۔ —— یہ تبلیغی جد وجہد جس کے سلسلہ میں یہ اجتماع یہاں قریبًا ہر سال ہوتا ہے دراصل اسی مقصد کی ایک عوامی کوشش ہے —— آج صورت یہ ہے کہ ہمارے امیروں اور غریبوں کا ہمارے بڑوں اور چھوٹوں کا ہمارے پڑھوں اور بے پڑھوں گا سب کا ماحول غیر دینی ہے سوچئے ہمارا ماحول کیا ہے۔ ہمارا گھر، ہمارا محلہ، ہمارے اسکول ہمارے کالج ہمارے دفتر، ہماری کچہریاں، ہمارے کارخانے، ہمارے کھیت کھلیان، ہمارے بازار اور ہماری منڈیاں ہم سب کی زندگیاں بس انھیں ماحولوں میں تو گزر رہی ہیں اور ہم آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں آج خدا اور آخرت کو یاد دلانے والی نہیں بلکہ بھلانے والی ہیں، اسی طرح آج ہمارے جو مشاغل ہیں اور ہمارے کھانے کمانے کے جو ذریعے ہیں وہ بھی ہمارے ایمان والے یقین کو غذا پہنچانے والے نہیں بلکہ دیمک کی طرح کھا کے اس کو کمزور کرنے والے ہیں، اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگیوں کا پروگرام ایسا ہو کہ کچھ دنوں کے لئے ہم اپنے مشغلوں اور ماحولوں سے نکل کر جنھوں نے ہمارے ایمان ویقین کو کمزوری کی اس حد تک پہنچا دیا ہے کسی ایسے ماحول اور ایسے مشغلے

اور ایسی فضا میں کچھ وقت گزارا کریں جو ایمان ویقین کے لئے سازگار اور اس کو غذا پہنچانے والی ہو، یہ تبلیغ کا کام اور اس کا خاص طریقہ اور نظام دراصل اسی کی عملی صورت ہے۔

میں مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے آپ سب بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں، آخر کب تک زندگی کی گاڑی غلط راستہ پر چلائی جائے گی اور کب تک ایمان کے دعوؤں کے ساتھ غیر ایمانی زندگی گزاری جائیگی ــــــ میں بغیر کسی تکلف اور حجاب کے کہتا ہوں کہ آپ میں سے جو حضرات ایسے مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ اس مسئلہ پر پوری سنجیدگی سے غور کریں اور میرے جو بھائی ہم لوگوں پر اعتماد کر کے ہماری بات مان سکتے ہوں وہ اعتماد کر کے مانیں اور آگے بڑھیں، ہماری بات مان کر آپ کچھ کھوئیں گے نہیں بلکہ اپنے دین و ایمان کو درست کرلیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کی دنیا بھی درست کردے گا، صحابہ کرام نے دین کو اصل مقصدِ زندگی بنا کر اس کی فکر کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا خود ان کے قدموں میں ڈال دی وہی اللہ اب بھی ہے اور اس کا قانون اب بھی وہی ہے، وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین ٥ وصلی اللہ وسلم علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ٥

شریعت پر استقامت

یہ تقریر شعبان ۱۳۹۵ھ میں پانولی ضلع بھڑوچ کے مدرسہ "محمدیہ عربیہ" میں کی گئی تھی

خطبۂ مسنونہ اور اعوذ اور بسم اللہ کے بعد

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝

میرے دینی بھائیو اور دوستو! اس وقت میرا حال یہ ہے کہ کچھ کہنے اور بولنے کی ہمت اور سکت بالکل نہیں ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ حلق سے آواز تک نہیں نکل رہی ہے ــــ واقعہ یہ ہوا کہ آج دوپہر میں یہاں حاضر ہوا تھا، مدرسہ کے یہاں اس وقت جو حضرات تشریف رکھتے تھے انھوں نے اصرار فرمایا کہ میں قیام کروں اور رات کو مدرسہ میں تقریر بھی کروں، انھوں نے یاد دلایا کہ یہ مجھ پر انکے مدرسہ کا قرض ہے، مجھے آج ہی دن میں ڈابھیل اور کئی دوسری جگہوں پر جانا تھا، اسلئے اس وقت میں نہیں ٹھہر سکا لیکن انکے مخلصانہ اصرار سے متاثر ہو کر یہ وعدہ کر لیا کہ مغرب تک ہم پھر یہیں واپس آجائیں گے اور اس وقت کچھ عرض بھی کر دیا جائے گا، ــــ لیکن اب میرا احساس یہ ہے کہ اس وقت اس فیصلہ میں مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے اپنی کمزور حالت اور طبیعت کی ناسازی کو دیکھتے ہوئے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ سارے دن سفر کے بعد کیا میں اس قابل رہونگا کہ آپ حضرات کے سامنے کوئی تقریر کر سکوں ــــ میں نے یہاں پہنچنے سے پہلے سوچا تھا کہ آپ حضرات کے سامنے اپنی حالت عرض کر کے معذرت کرونگا اور معافی

چاہ لوں گا اور آپ حضرات عنایت فرما کر معافی دیدیں گے ـــــ لیکن یہاں آ کے مجھے معلوم ہوا کہ آپ حضرات نے دور دور تک اطلاع کر دی اور اللہ کے بہت سے بندے دور دراز مقامات سے آئے ہوئے ہیں اس لیئے اب معذرت کرتے ہوئے خود مجھے شرم آتی ہے ـــــ آپ حضرات دعا فرمائیں اللہ تعالےٰ میری مدد فرمائے اور کوئی ایسی بات کہلوادے جو میرے لئے بھی اور آپ حضرات کیلئے بھی نفعمند ہو اور آپ کا آنا کار آمد ہو،

ابھی قاری صاحب نے قرآن مجید کی جو تلاوت فرمائی ہے، اس میں انھوں نے سورۂ "حٰم سجدہ" کی چند آیتیں پڑھی تھیں، ان ہی میں سے شروع کی دو تین آیتیں میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں ـــــ ان آیتوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ ایک عالم اور ایک زندگی تو یہ ہے جس میں ہم آپ رہ بس رہے ہیں، اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اس کا سرد و گرم چکھ رہے ہیں ـــــ آپ اسکو دنیا کہہ لیجئے! یہ بلاشبہ ایک حقیقت ہے کوئی خواب و خیال نہیں ہے، اسی دنیا میں اللہ نے پیغمبر بھیجے اور اسی میں میں کتابیں نازل فرمائی ہیں، اسی دنیا کی چیزوں کے بارہ میں حلال و حرام وغیرہ کے احکام دیئے ہیں ـــــ الغرض یہ عالم اور یہ دنیا ایک حقیقت ہے ـــــ پھر ہم اور آپ جانتے ہیں کہ اس میں تکلیفیں اور مشقتیں بھی ہیں اور راحتیں اور لذتیں بھی ہیں اور ان تکلیفوں اور راحتوں، لذتوں کا ہم نے آپ نے خود تجربہ کیا ہے ـــــ تو ایک عالم اور ایک زندگی تو یہ ہے، اور ایک اور عالم اور ایک دوسری زندگی ہے جو اس کے بعد آنے والی ہے ہم نے اس کو خود نہیں دیکھا ہے، اسکی خبر ہمیں اللہ کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں نے دی ہے اور سب سے آخر میں اللہ کے آخری پیغمبر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور

اللہ کی آخری کتاب قرآن پاک نے دی ہے، انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جس طرح اس عالم اور اس زندگی میں یعنی دنیا میں تکلیفیں بھی ہیں اور راحتیں اور لذتیں بھی ہیں اسی طرح آگے آنے والے اس دوسرے عالم اور دوسری زندگی میں بھی یہ دونوں چیزیں ہیں، بلکہ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ وہاں کی تکلیفیں اور مصیبتیں یہاں کے مقابلہ میں ہزاروں لاکھوں گنا بڑھی ہوئی ہیں اور اسی طرح وہاں کی راحتیں اور اور لذتیں اور بہاریں بھی یہاں کے مقابلہ میں بیحد و حساب زیادہ ہیں، بلکہ یہاں کی تکلیفوں اور راحتوں، لذتوں کو وہاں کی تکلیفوں اور راحتوں لذتوں سے کوئی نسبت ہی نہیں ——— اور اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ حضرات انبیاء علیہ السلام نے اور اللہ کی مقدس کتابوں نے اور سب سے آخر میں سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور قرآن مجید نے اسکے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہے وہ بالکل حق ہے اور اس عالم کی زندگی ختم کرکے اس دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد ہم سب اپنی آنکھوں سے اس سب کو اسی طرح دیکھ لیں گے جس طرح آج اس دنیا کی چیزوں کو دیکھ رہے ہیں آپ اسکو یوں سمجھئے کہ ہم آپ سب اس دنیا میں آنے سے پہلے کچھ مہینے اپنی ماؤں کے پیٹ میں رہے ہیں وہ ہماری زندگی کا سب سے پہلا مرحلہ تھا اور پہلا عالم تھا، اس وقت اگر ہم سے کوئی کہتا کہ اے ننھے بچے آج تو اس تنگ اور تاریک دنیا میں ہے کچھ دنوں کے بعد تو ایک دوسری بہت بڑی دنیا میں پہنچ جائیگا، جو لاکھوں میل کی لمبی چوڑی دنیا ہے، وہاں زمین ہے اور آسمان ہے، اور پہاڑ ہیں، اور بڑے بڑے دریا ہیں اور سمندر ہے اور اس میں جہاز چلتے ہیں اور زمین میں ریلیں اور موٹریں دوڑتی ہیں اور کھیت ہیں اور باغ ہیں اور طرح طرح کے پھول اور پھل ہیں اور وہاں بڑی بڑی راحتیں اور لذتیں اور بڑی نفیس نفیس کھانے اور پینے کی چیزیں ہیں ——— اور وہاں بڑی بڑی تکلیفیں بھی ہیں، لوگ آگ میں جل جاتے ہیں، اور بم سے اڑا دیئے جاتے ہیں اور

مجرم پھانسیوں پر چڑھائے جاتے ہیں ــــــ تو اگر ایک ایسے بچہ سے جو ابھی ماں کے پیٹ والی دنیا میں ہے، کوئی یہ باتیں کہے اور فرض کرو کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے کہ وہ بچہ ان باتوں کو سن بھی لے ــــــ تو ظاہر ہے کہ نہ تو وہ بچہ ان حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ سکے گا اور نہ اس کی ننھی سی عقل ان باتوں کو قبول کر سکے گی، لیکن وہی بچہ اس دنیا میں آنے کے بعد خود ان سب چیزوں کو دیکھ لیتا ہے ــــــ بالکل اسی طرح سمجھئے کہ جب تک ہم اس عالم اور اس دنیا میں ہیں، آگے آنیوالا عالم اور آگے آنے والی دنیا ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور ہم اسے نہیں دیکھ سکتے اور وہاں کی حقیقتوں کو پوری طرح سمجھ بھی نہیں سکتے ــــــ لیکن جب اس دنیا اور اس عالم سے منتقل ہو کر اس آنے والے عالم میں اور آنے والی دنیا میں یعنی عالم آخرت میں ہم پہنچ جائیں گے تو ان سب چیزوں کو جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ جس طرح ماں کے پیٹ والی چھوٹی سی تنگ و تاریک دنیا کے مقابلہ میں ہماری یہ دنیا تکلیف اور راحت اور دکھ سکھ ہر لحاظ سے بے حد و حساب وسیع اور ترقی یافتہ ہے اسی طرح آنے والا عالم یعنی عالم آخرت ہماری اس دنیا کے لحاظ سے بے حد وسیع اور ترقی یافتہ ہے وہاں ایسی نعمتیں اور عیش و راحت کے ایسے سامان ہوں گے جن کا اس دنیا میں کسی نے تصور بھی نہ کیا ہو گا اور اللہ پناہ میں رکھے اور وہاں دوزخ میں عذاب کی ایسی تکلیفیں ہونگی اور تعذیب کے ایسے سامان ہونگے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف اور مصیبت کو بھی ان سے کوئی نسبت نہ ہوگی،

میرے بھائیو اور دوستو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ میں ہر صفت بدرجۂ کمال ہے، اسکی قدرت کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اسکی رحمت کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے اور اسکے جلال اور قہر کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے ــــــ انسان جب اپنی زندگی کی سب سے پہلی منزل یعنی ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے جب بھی اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا اس سے تعلق ہوتا ہے، لیکن یہ تعلق

حکمت کے مطابق بہت ہلکے پیمانہ پر ہوتا ہے ۔۔۔ پھر ہماری اس دنیا اور اس زندگی میں ان صفات کا ظہور یہاں کے پیٹ والی دنیا کے مقابلہ میں بہت بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے جیسا کہ ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں ۔۔۔ لیکن ان صفات کا کامل ظہور عالم آخرت میں ہوگا، شانِ رحمت اور شانِ جمال کا کامل ظہور جنت میں ہوگا اور شانِ قہر و جلال کا کامل ظہور دوزخ میں ہوگا،

دوزخ میں اللہ تعالیٰ کے ۔۔۔ قہر و جلال کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنا کافی ہوگا کہ یہاں اگر کسی آدمی کو دہکتی آگ ڈالدیا جائے تو وہ بیچارہ چند منٹ میں جل بھن کر اور تڑپ تڑپ کر ختم ہو جائے گا، اس کی جان نکل جائے گی اور تکلیف اور اذیت کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا، لیکن جو مجرم آخرت میں دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلیں گے، بھنیں گے اور ان کی جان نہیں نکلے گی، یہاں تک کہ وہ خود موت مانگیں گے جہنم کے فرشتہ سے کہیں گے "لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ" مطلب یہ کہ ہم چاہتے ہیں کہ خدا ہمارا خاتمہ کر دے اور ہمیں موت آجائے، لیکن جواب ملے گا "اِنَّكُمْ مَّاكِثُوْنَ" یعنی تمہیں موت نہیں دیجائیگی تم ہمیشہ اسی طرح پڑے رہو گے ۔۔۔ ذرا سوچیے ؟ یہ اللہ کی قدرت قاہرہ اور اس کے قہر و جلال کا کیسا ظہور ہوگا، اللہ کی پناہ ! اللہ کی پناہ !! اللہ کی پناہ !!!

اور جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و احسان کا کچھ اندازہ کرنے کے لئے صرف یہی ایک آیت کافی ہے جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھی جس میں اہل جنت کے حق میں فرمایا گیا ہے "وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ" اس میں جنتیوں سے کہا گیا ہے کہ جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا اور جو کچھ تم طلب کرو گے وہ سب تمہیں ملے گا اور تمہارے جی کی ہر چاہت اور ہر خواہش پوری کی جائے گی ۔۔۔ ذرا اس کو

وسعت پر تو غور کیجیے، آدمی ایسی زندگی چاہتا ہے کہ کبھی موت نہ آئے، ایسی صحت چاہتا ہے کہ کبھی بیماری نہ ہو، ایسی جوانی چاہتا ہے کہ کبھی بڑھاپا نہ آئے، ایسی خوبصورتی چاہتا ہے جو کبھی زائل نہ ہو، اس کے علاوہ ہر طرح کی لذت اور مسرت چاہتا ہے، اس کی روح اپنے خالق کی رضا چاہتی ہے، اس کا قرب چاہتی ہے قرآن پاک کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ یہ سب تمہیں عطا ہوگا، اور تمہیں اس کیلئے وہاں کچھ کرنا نہیں پڑیگا، سب اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس طرح پیش ہوگا جس طرح کسی کریم میزبان کی طرف سے عزیز مہمان کے لئے پیش ہوتا ہے" نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ" — یہی بات ایک دوسری آیت میں ان لفظوں میں فرمائی گئی ہے" فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ" یعنی جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو جی چاہے اور جس سے آنکھوں کو سرور و لذت حاصل ہو، آگے فرمایا گیا ہے، وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ اور تم ہمیشہ ہمیشہ اس جنت میں رہو گے —— یہی وہ چیز ہے جسے میں نے کہا کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و احسان کا کامل ظہور آخرت میں اور جنت میں ہوگا، ہماری یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں اس میں اس کی گنجائش ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت یا اس کے قہر و جلال کا یہاں پورا ظہور ہو سکے یہاں کے زمین و آسمان اس کو سہار ہی نہیں سکتے، قرآن مجید میں ہے کہ ایک پہاڑ پر اللہ تعالےٰ کے جلال کی ذرا سی تجلی ہوئی تھی وہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰؑ جیسے طاقتور پیغمبر، جن کے ایک تھپڑ سے ایک جوان قبطی کا دم نکل گیا تھا، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۝ اسی طرح ہماری یہ دنیا اور یہاں کے زمین و آسمان اللہ کی جمالی تجلی کو برداشت نہیں کر سکتے —— تو اللہ کے قہر و جلال اور اسی طرح اس کی کامل رحمت اور اس کے جمال کا کامل ظہور آخرت

میں، جنت اور دوزخ میں ہوگا،

میرے دینی بھائیو اور دوستو! اپنے اپنے زمانہ میں اللہ کے سب پیغمبروں نے اور سب سے آخر میں اس کے آخری رسول سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اور آخری کتاب قرآن مجید نے اس طریقہ کی دعوت دی ہے جس پر چل کر اللہ کے بندے اس کے قہر و جلال سے بالکل محفوظ ہو جائیں اور دنیا میں بھی اس کے فضل کے اور آخرت میں اسکی اس کامل رحمت کے مستحق ہو جائیں جس کا ظہور آخرت اور جنت ہی میں ہوگا ـــــ اسی طریقہ کا نام شریعت ہے، اللہ تعالےٰ نے شریعت اسلئے نازل نہیں کی ہے کہ اس کو ہمارے پابند کرنے سے کوئی دلچسپی ہے یا ہمارے شریعت پر چلنے سے اس کا ذرہ برابر کوئی نفع ہے وہ "غنی عن العٰلمین" ہے ـــــ ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ اگر سارے بندے شیطان کی طرح اللہ کے سخت نافرمان ہو جائیں تو اس سے اللہ تعالےٰ کی شانِ عظمت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آئے گا ـــــ شریعت تو اللہ تعالےٰ نے صرف اس لئے نازل کی ہے اور ہمیں اس پر چلنے کا صرف اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس کی رحمت کاملہ کے مستحق ہو جائیں ـــــ تو شریعت تو ہمارے لئے سراسر رحمت ہے اور اس سے ہماری تکمیل ہی مقصود ہے،

میں نے سورہ "حٰم سجدہ" کی جو دو تین آیتیں پڑھی تھیں ان میں بڑے پیارے انداز میں استقامت کے ساتھ شریعت پر چلنے کی دعوت دی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ان استقامت والوں کو ہم کیا کچھ دیں گے اور ان پر کیسی نوازشیں ہوں گی،

سنئے! ـــــ ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" ـــــ یعنی جن بندوں نے اس بات کا اقرار کر لیا اور مان لیا کہ ہمارا

رب بس اللہ ہے، پھر استقامت کے ساتھ اس پر چلتے رہے ۔۔۔ "ربنا اللہ" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اپنا مالک و معبود مان کر اس کی بندگی اور فرمانبرداری والی زندگی گزارنے کا جنھوں نے اقرار کرلیا' یعنی اللہ کے دین اسلام کو قبول کرلیا اور اس کی شریعت پر چلنا طے کرلیا" ثم استقاموا" پھر اس اقرار و فیصلہ کے مطابق زندگی گزاری، استقامت کے ساتھ شریعت پر چلتے رہے ۔۔۔ ان کے لئے فرمایا گیا ہے، تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ یعنی اللہ کے ان بندوں پر فرشتے اترتے ہیں اور ان کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے انھیں یہ خوشخبری سناتے ہیں ۔۔۔ کہ کسی طرح کا خوف نہ کرو اور بالکل غم نہ کھاؤ اور اس جنت کی خوشخبری لو جس کا تم سے رسولوں کی زبانی وعدہ کیا جاتا تھا ۔۔۔ آپ غور کریں انسان کی زندگی کے دو ہی کانٹے ہیں ایک خوف، اور دوسرا غم، آنے والی مصیبت کا خوف ہوتا ہے اور جب مصیبت آجائے یا آکر گزر جائے تو اس کا غم ہوتا ہے، انسانوں کی ساری پریشانیاں یا خوف کے قسم کی ہوں گی یا غم کے قسم کی ۔۔۔ قرآن پاک کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو بندے استقامت کے ساتھ اللہ کی بندگی کے راستہ پر یعنی شریعت پر چلتے رہیں انھیں فرشتے یہ پیغام پہنچاتے ہیں کہ مطمئن ہو جاؤ، تمہارے لئے کوئی خوف اور کوئی غم کی بات نہیں ۔۔۔ "لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا" یعنی آگے تمہارے لئے کوئی ڈر اور خوف کی بات نہیں ہے، خیر ہی خیر ہے، اللہ کی رحمت ہے، اللہ کا پیار ہے، اور کوئی رنج و غم کی بات بھی نہیں ہے، یعنی جب اللہ کی رحمت ہے اور آگے جنت ہے اور اللہ کی رضا ہے تو پھر کیسا غم اور کس بات کا غم! أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ اسی کے ساتھ فرشتے

یہ بھی کہتے ہیں نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ یعنی فرشتے جنت کی خوشخبری سنانے کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت میں بھی ہماری تمہاری رفاقت رہے گی۔

بہت سے مفسرین نے ان آیتوں کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ جو بندے استقامت کے ساتھ اللہ کی بندگی کے راستہ پر یعنی شریعت پر چلتے رہتے ہیں انھیں موت کے وقت فرشتے تسلی دیتے ہیں اور خوشخبری سناتے ہیں یا قبر میں اور حشر میں سنائیں گے، لیکن کچھ محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کو مرنے کے وقت کے ساتھ اور قبر یا حشر کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اس دنیوی زندگی میں بھی اصحاب استقامت کے قلوب میں فرشتے یہ خیالات ڈالتے ہیں جس سے انھیں اطمینان اور شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہیں اور اپنے رب کریم اور محسن حقیقی کے ساتھ انکی محبت میں اور اضافہ ہوتا ہے اور پھر موت کے وقت اور قبر اور حشر میں بھی خوشخبریوں اور تسلیوں کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔۔۔۔ اسی آیت میں آگے جو یہ فرمایا گیا ہے "نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ" اس سے اسکی تائید ہوتی ہے کہ اہل استقامت کو یہ بشارت فرشتے اس دنیوی زندگی میں بھی دیتے ہیں۔

آگے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے یہ فرشتے یہ بشارت بھی سناتے ہیں، وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ یعنی اے اللہ کے وفادار و اطاعت شعار بندو تمہارے واسطے جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے جی چاہیں اور جو تم طلب کرو گے۔۔۔ اور کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے تم کو کچھ کرنا نہیں پڑے گا درخواست بھی نہیں لکھنی پڑیگی، سب رب کریم اور غفور رحیم کی طرف سے مہمانی کے طور پر ملے گا، تم اسکے عزیز اور پیارے مہمان ہوگے اور وہ تمہارا پیارا اور کریم میزبان ہوگا۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۝

یہ آیت دراصل اللہ تعالےٰ کا منشورِ رحمت ہے۔ میں سب سے پہلے اپنے نفس سے اور اس کے بعد آپ سب بھائیوں اور دوستوں سے کہتا ہوں کہ اسکو اپنا حال بناؤ! ـــــ صحابۂ کرام رضی نے انکے بعد تابعین عظام نے ان کے بعد ہمارے اس زمانہ تک کے اولیاءِ امت نے جو کچھ پایا ہے اسی راستہ پر چل کر اور اس طریقہ کو اپنا کر پایا ہے، انھوں نے دل اور زبان سے کہا رَبُّنَا اللّٰہُ یعنی ہمارا رب بس اللہ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں اس لئے بندگی والی زندگی گزاریں گے ـــــ اور پھر استقامت کے ساتھ اسی راستہ پر چلتے رہے اور اللہ کی رحمت اور اس کے پیار کے مستحق ہو گئے،

میرے بھائیو! اللہ تعالےٰ میرا اور آپ کا رب مجھے اور آپ کو بھی اسی طرف بلا رہا ہے ـــــ طے کر لو کہ انشاء اللہ یہ مقام ہمیں حاصل کرنا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اس راستہ کا پہلا مرحلہ تو ہم نے طے بھی کر لیا ہے، یعنی ہم سب نے دل اور زبان سے "رَبُّنَا اللّٰہُ" کہا ہے، اور اسلام کو اپنا دین بنا کے اور کلمہ شریف پڑھ کے ہم نے اقرار کیا ہے اور مانا ہے کہ اللہ ہمارا وحدہٗ لاشریک مالک و معبود ہے اور ہم اس کے بندے ہیں اور بندگی والی زندگی گزاریں گے اور اس کی شریعت پر چلیں گے ـــــ تو یہ پہلا مرحلہ تو ہم نے طے کر لیا ہے اب دوسرا مرحلہ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کا ہے اور یہ مرتے دم تک کا ہے ـــــ اگر اب تک ہم نے فیصلہ نہیں کیا تھا تو اب فیصلہ کر یں کہ شریعت پر چلتے ہوئے جئیں گے اور شریعت پر چلتے ہوئے مریں گے ـــــ بس اسی کا نام استقامت ہے ـــــ اللہ تعالےٰ مجھے بھی نصیب فرمائے اور آپ حضرات کو بھی نصیب فرمائے،

میرے بھائیو! اگر نفس میں خباثت نہ ہو تو شریعت پر چلنا کچھ مشکل نہیں، اللہ تو فقط

نے دین اور شریعت کو بہت آسان کر دیا ہے ہمیں کسی ایسی بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے جو ہم سے نہ ہو سکے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا۔ ـــــــ نماز کے لیے وضو کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اگر بیماری وغیرہ کی وجہ سے وضو مشکل ہو تو تیمم کر لو۔ نماز کھڑے ہو کر ادا کرنے کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ بیماری وغیرہ کی مجبوری ہو تو بیٹھ کے اور یہ بھی مشکل ہو تو لیٹے لیٹے ادا کر لیا کرو، رمضان کے روزوں کا حکم دیا گیا، ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ بیماری یا سفر کی معذوری ہو تو قضا کر سکتے ہو ـــــــ زکوٰۃ صرف چالیسواں حصہ مقرر کی گئی اور وہ بھی صرف دولتمندوں پر، اور ان کے بھی مکانات اور سواریاں، موٹر وغیرہ بھی مستثنیٰ کر دیے گئے۔ آپ شریعت کے ایک ایک حکم پر غور کر کے دیکھ لیں یہی نظر آئے گا کہ ہر حکم میں ہماری آسانی کا لحاظ رکھا گیا ہے اور جو بھی حکم دیا گیا ہے اس میں ہماری بھلائی اور خود ہماری تکمیل ہے ـــــــ ایسی شریعت پر چلنا کیا مشکل ہے ـــــــ پھر دنیا کی وہ ساری چیزیں جن میں لطف اور لذت ہے جائز حدود کی پابندی لگا کر ہمارے لیے حلال کر دی گئیں، قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے " قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں زینت و آرائش کا جو سامان پیدا کیا ہے یعنی خوبصورت لباس وغیرہ اور کھانے پینے کی نفیس و لذیذ چیزیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں تمہارے لیے حلال اور طیب ہیں، جائز حدود میں استعمال کرو اور خدا کا شکر ادا کرو۔

میرے بھائیو! سوچو! ایسی شریعت پر چلنا اور مرتے دم تک استقامت کے ساتھ چلتے رہنا کیا مشکل ہے،

پھر توبہ کا بھی دروازہ کھلا رکھا گیا ہے اگر بالفرض اس راستہ پر چلتے ہوئے خود اپنے نفس کی شرارت سے یا شیطان کے بہکانے سے ہم سے گناہ ہو جائے اور بڑے سے بڑا گناہ

ہو جائے اور خدا نہ کرے بار بار ہو جائے لیکن اسکے بعد ہم سچے دل سے توبہ کرلیں اور معافی مانگ لیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ہمیں معاف فرما دیگا اور ہمارے ان گناہوں کو بالکل کالعدم کردیگا اور ہمیں پھر وفادار بندوں میں اور استقامت والوں میں شامل کرلیا جائے گا ــــ اسکے بعد بھی اگر کوئی شخص محروم ہو تو اسکے سوا کیا کہا جائے گا کہ وہ بڑا ہی بدبخت اور بدنصیب ہے،

جب بات یہاں تک آگئی تو میں آپ بھائیوں اور دوستوں سے اور خود اپنے نفس سے کہتا ہوں کہ ہم یہ یقین کرکے کہ اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے اور مجھے اور آپ کو دیکھ رہا ہے اور اس کے فرشتے بھی یہاں موجود ہیں، ہم آپ اپنے چھوٹے بڑے گناہوں سے اللہ کے حضور میں توبہ کریں اور آئندہ کے لئے استقامت کیساتھ شریعت پر چلنے کا ارادہ اور عہد کریں اور اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگیں،

(اس موقع پر پورے مجمع نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کی اور دعا ہوئی ــــ اور اس درمیان میں تقریر کا سلسلہ منقطع رہا ــــ اسکے بعد تقریر کا سلسلہ پھر جاری گیا)

میرے بھائیو اور دوستو! اب میں ایک بہت مختصر سا عملی پروگرام بتاتا ہوں، وہ انشاء اللہ استقامت کے ساتھ شریعت پر چلنے میں بہت مدد دے گا ــــ

آپ سب حضرات نماز تو پابندی سے پڑھتے ہی ہوں گے اور اس وقت ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا ہے اسکے بعد تو انشاء اللہ اور زیادہ اہتمام اور پابندی سے پڑھیں گے، اسکے سلسلہ میں یہ کوشش کیجئے کہ آپ کی نماز ظاہر کے لحاظ سے بھی صحیح نماز ہو اور باطن کے لحاظ سے بھی، ظاہر کے لحاظ سے صحیح ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ کا رکوع، سجدہ، قومہ، قیام، قعود، قرأت حضور کی تعلیم اور آپ کی سنت کے مطابق ہو ــــ جس حد تک بھی ہو سکے ــــ اور باطن کے لحاظ سے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں آپ کا دھیان عظمت اور خشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو، یہی نماز کی روح اور اس کا باطن ہے،

آپ یقین کیجئے کہ جب آپ سچے دل سے اس کی کوشش کریں گے اور اللہ تعالیٰ

سے دعا بھی کرتے رہیں گے تو یہ چیز آپ کو کسی نہ کسی درجہ میں نصیب ہو جائے گی، بلکہ آپ کے صرف کوشش کرنے سے آپکی نماز اللہ کے ہاں ویسی ہی لکھی جانے لگے گی، اور پھر یہ نماز آپ کے ظاہر و باطن کو بہت کچھ درست کر دے گی، اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔ میرا دوسرا مشورہ یہ ہے کہ کچھ اللہ کے ذکر کی عادت ڈالئے تیسرا کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا تعلیم فرمایا ہوا ذکر اللہ کا نہایت جامع کلمہ ہے، صبح شام اس کی کم از کم ایک ایک تسبیح کا معمول مقرر کر لیجئے اور یہ بھی جہاں تک ہو سکے اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ اور اسکی عظمت اور محبت و خشیت کے ساتھ ہو۔۔۔ اسی کے ساتھ ایک ایک تسبیح استغفار اور درود شریف کی ہو جایا کرے ۔۔۔ یہ بہت ہلکا پھلکا ذکر کا نصاب ہے، قیامت میں پہنچ کے معلوم ہو گا کہ ان کلموں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ وزن ہے، یہ کلمے جنت میں چلنے والے سکے ہیں، اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے،

تیسرا مشورہ یہ دیتا ہوں کہ روزانہ دو چار منٹ کا کوئی وقت اس کیلئے بھی مقرر کر لیجئے کہ اس میں آپ اپنی موت کو یاد کریں بلکہ اس کا مراقبہ کیا کریں، یعنی یہ سوچیں کہ یقیناً ایکدن مجھے موت آجائے گی، پھر مجھے نہلایا اور کفنایا جائے گا، پھر میرا جنازہ قبرستان لے جایا جائے گا، پھر مجھے قبر میں دفن کر دیا جائے گا، الغرض موت کے وقت جو کچھ ہوتا ہے اس کو تفصیل سے سوچا جائے اور اس طرح سوچا جائے کہ گویا مجھ پر یہ سب گزر رہا ہے اور اسی کے ساتھ اپنے اعمال پہ نگاہ ڈالی جائے اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی اور حساب کا تصور کیا جائے کہ اس وقت میرا کیا حال ہو گا ۔۔۔ اس سب کا دھیان کر کے اللہ کے حضور میں سب گناہوں سے توبہ کی جائے ۔۔۔ یہ صرف دو چار منٹ کا کام ہے لیکن اکسیر ہے، ایک اور بھی چوتھی اور آخری بات یہ ہے کہ ہو سکے تو آخری رات میں اٹھ کر تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی عادت ضرور ڈال لیجئے ۔۔۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا

امت کیلئے خاص اخلاص تحفہ ہے، بندہ اس وقت جو کچھ حاصل کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے وقت حاصل نہیں ہو سکتا ــــــ آپ حضرات نے سنا ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کو خود پکارتا ہے کہ آؤ میری رحمت سے بھرپور حصہ لو، اور بھی بالکل آخری بات یہ ہے کہ ہر طرح کے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرو، اور جب کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے اللہ کے حضور میں توبہ کرو اور معافی مانگ لیا کرو ! ــــــ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب حضرات کو عمل کی توفیق دے !

اگر ان باتوں پر ہم نے عمل کر لیا تو انشاء اللہ ہم بھی ان بندوں کے ساتھ شامل کر دیے جائیں گے جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے ــــــ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
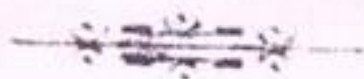
استقبالِ رمضان

یہ تقریر ۱۳۷۱ھ میں رمضان مبارک شروع ہونے سے
دو ہی چار دن پہلے کی گئی تھی

دوستو اور دینی بھائیو! اللہ کا مبارک مہینہ رمضان قریب آگیا ہے، اب ایک ہفتہ بھی درمیان میں نہیں ہے، صرف ظاہر کو دیکھ سکنے والی ہماری نگاہوں میں تو رمضان اور غیر رمضان میں کوئی فرق نہیں ہوتا، جس طرح کے دن اور جس طرح کی راتیں رمضان کے پہلے اور اس کے بعد ہوتی ہیں، اسی طرح کے دن رات رمضان کے بھی ہوتے ہیں ـــــ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کسی کو وہ آنکھ نصیب فرمائے جو آسمان سے نازل ہونے والی رحمتوں اور برکتوں کو اور اسی طرح کی دوسری نورانی اور روحانی حقیقتوں کو دیکھ سکے تو اس کو رمضان اور غیر رمضان میں ایسا کھلا فرق محسوس ہوگا جیسا کہ ہم کو اور آپ کو دن اور رات میں محسوس ہوتا ہے۔

رمضان کے انوار و برکات کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محسوس کرنے والے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے، اس لئے آپ کا حال یہ تھا کہ مہینوں پہلے سے ہمہ تن شوق ہو کر اس کا انتظار فرماتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ جب دو مہینے پہلے رجب کا چاند دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" (اے اللہ رجب اور شعبان دونوں مہینوں کی برکات ہم کو نصیب فرما۔ اور رمضان تک ہمیں پہونچا!)

پھر رجب کا مہینہ پورا ہونے کے بعد جب شعبان آتا تو آپ مسلسل روزے رکھنا شروع فرما دیتے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ قریب قریب پورے مہینے شعبان کے آپ روزے رکھتے تھے، پھر جب رمضان مبارک آجاتا تو آپ کی طبیعت مبارک کے لئے گویا موسم بہار آجاتا۔ ـــــ آپ خطبات اور مواعظ کے ذریعہ صحابہ کرام کو

بھی اس کی ترغیب دیتے تھے کہ اس مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں اور بہاروں سے وہ بھی حصہ لیں اور اس کے دنوں اور راتوں کی پوری قدر کریں۔

اللہ تعالیٰ حضرات محدثین کو جزائے خیر دے ان کے طفیل میں حضورؐ کے اس سلسلہ کے ارشادات اور خطبے بھی حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہوگئے ہیں، میرا معمول ہے کہ جب رمضان مبارک آتا ہے تو میں اجتماعات میں بھی ان کے مضامین کا تذکرہ کیا کرتا ہوں، آج بھی یہی ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے اور نفع اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

اس سلسلہ کا حضورؐ کا ایک بہت مختصر خطبہ امام منذریؒ نے "ترغیب و ترہیب" میں طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ ایک دفعہ رمضان مبارک آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ارشاد فرمایا:۔

أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرُ بَرَكَةٍ يَغْشَاكُمُ اللّٰهُ فِيْهِ فَيُنْزِلُ الرَّحْمَةَ وَيَحُطُّ الْخَطَايَا وَيَسْتَجِيْبُ فِيْهِ الدُّعَاءَ يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلٰى تَنَافُسِكُمْ فِيْهِ وَيُبَاهِيْ بِكُمْ مَلٰٓئِكَتَهُ فَأَرُوا اللّٰهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا فَإِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

اللہ کا محترم مہینہ رمضان تمہارے پاس آگیا، یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تمہیں اپنے آغوش رحمت میں لے لیتا ہے اور اپنی خاص رحمتیں نازل فرماتا ہے، خطائیں معاف کرتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے اور اس مہینہ میں طاعات اور عبادات کی طرف تمہاری رغبت اور مسابقت کو دیکھتا ہے اور مسرت و مفاخرت کیساتھ اپنے فرشتوں کو بھی دکھاتا ہے ـــــ پس اے لوگو! اس مبارک مہینہ

میں اللہ کو اپنی طرف سے خیر ہی دکھاؤ۔ وہ شخص بڑا بے نصیب ہے جو رحمتوں کے

اس موسم میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہ جائے۔

اس خطبہ میں حضورؐ نے رمضان کی پہلی برکت یہ بیان فرمائی ہے کہ "یَغْشَاکُمُ اللّٰہُ فِیْہِ" یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے جس قرب اور اس کی جس خاص عنایت و عطوفت کو ظاہر کرتا ہے حق یہ ہے کہ اس کو الفاظ میں نہیں ادا کیا جا سکتا۔ میں اس کا قریبی ترجمہ یہ کر دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں تم کو اپنے آغوش رحمت میں لے لیتا ہے،

اس کے بعد آپ نے چار باتیں اور بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ میں اپنی خاص رحمتیں نازل فرماتا ہے، اور دوسری یہ کہ خطاکار بندوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے، اور تیسری یہ کہ دعائیں قبول کرتا ہے، اور چوتھی یہ کہ اس کے جو بندے اس مہینہ کی رحمتیں اور برکتیں حاصل کرنے کے لئے ذوق و شوق کے ساتھ عبادت اور مجاہدے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی طرف خاص کرم اور بندہ نوازی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور فخر و مباہات کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھی دکھاتا ہے کہ دیکھو یہ ہیں میرے بندے جنھوں نے نہ مجھے دیکھا ہے نہ میری جنت کو دیکھا ہے نہ دوزخ کو دیکھا ہے، پھر بھی میری رضا اور میری جنت کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ روزے کی بھوک پیاس برداشت کر رہے ہیں۔ ان کے پیٹ کمر سے لگ گئے ہیں، زبانیں خشک ہیں، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں، اسی حال میں نمازیں پڑھ رہے ہیں، تلاوت یا ذکر کر رہے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں، پھر دن اس طرح گزار کے رات کو تراویح میں کھڑے رہتے ہیں، پھر تہجد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں،

سبحان اللہ! کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رمضان مبارک کے دن اور اس کی راتیں اس طرح گزارتے ہیں کہ ان کا مالک و مولا نوازش و کرم کی اس خاص نگاہ سے ان کو دیکھتا ہے اور فرشتوں کے سامنے اس طرح ان کا

ذکر فرماتا ہے۔ ؎

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

پھر آخر میں حضورؐ نے فرمایا "فَأَرُوا اللّٰهَ مِنْ أَنْفُسِكُمْ خَيْرًا" (پس اے بندگان خدا اس مہینہ میں اللہ تعالےٰ کو اپنی طرف سے خیر ہی دکھاؤ) یعنی کوشش کرو کہ اس مہینہ کے تمہارے دن اور راتیں اس طرح گزریں کہ جس وقت بھی مالک الملک کی وہ خاص نگاہ تم پر پڑے تم کو اچھے ہی حال میں دیکھے ——— آخر میں آپ نے فرمایا کہ وہ شخص بڑا بے نصیب ہے جو اس ماہ رحمت میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہے اور کوئی حصہ اس میں سے نہ لے سکے۔

اور مشکوٰۃ شریف میں مسند احمد اور نسائی کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رمضان آیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو خطاب فرمایا:۔

أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ	تمہارے پاس رمضان آگیا یہ بڑی برکت
فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ تُفْتَحُ	والا مہینہ ہے۔ اللہ نے اس کے روزے
فِيهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِيهِ	تم پر فرض کئے ہیں۔ اس میں (مومنین
أَبْوَابُ الْجَحِيمِ وَتُغَلُّ فِيهِ	صالحین کے لئے) آسمان کے (یعنی
مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ لِلّٰهِ فِيهِ	رحمت و جنت کے) دروازے کھل
لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ	جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے
حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ۔	بند کردیئے جاتے ہیں۔ اور سرکش

شیاطین جکڑ دیے جاتے ہیں۔ اس میں اللہ کی ایک خاص رات ہے جو اپنی برکات کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، جو کوئی اس کی خیر سے محروم رہا وہ بڑا محروم ہے۔

رمضان کی آمد پر دوزخ کے دروازے بند کیے جانے اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے اور شیطانوں کے جکڑ دیئے جانے کا ذکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثوں میں آتا ہے، ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان تینوں باتوں کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ان کا تعلق صرف ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان کی آمد کو محسوس کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ سے شیطانی کاموں سے بچنے کی اور دوزخ کے عذاب سے نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کی رحمت کے اس مہینہ میں کچھ خاص فکر اور کوشش کرتے ہیں، تو ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جنت حاصل کرنا ان کے لئے بہت آسان کر دیا جاتا ہے، اور جنتی بنانے والے اعمال کی ان کو توفیق عطا فرما کر ان کے اپنے اپنے احوال واعمال کے مطابق ان کے جنتی ہونے کا فیصلہ فرمایا جاتا ہے ـــــ اسی طرح توبہ واستغفار کی اور معصیات سے بچنے کی ان کو توفیق عطا فرما کر ان کے حق میں دوزخ کے دروازے گویا بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی رحمت ان کی ایسی حفاظت کرتی ہے کہ اس مبارک مہینہ میں شیطانوں کا ان پر قابو نہیں چل سکتا۔ گویا اللہ تعالےٰ اس مبارک مہینہ میں شیطانوں کو اپنی قدرت سے ایسا جکڑ دیتا ہے، کہ ان اہل ایمان پر وہ حملہ نہیں کر سکتے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی آمد پر جنت کے دروازے کھولے جانے اور دوزخ کے دروازے بند کیے جانے اور شیطانوں کے جکڑ دیئے جانے کا ذکر فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا کہ رمضان مبارک کی ہر رات کو اللہ کا منادی کہا کرتا ہے "یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ" (یعنی اے نیکی اور ثواب کے طالب! قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی کے شائق رک اور باز رہ) میرے بھائیو! اس دنیا میں ہمیں وہ کان نہیں دیئے گئے ہیں جو عالم غیب اور

ملاءِ اعلیٰ کی آوازیں سن سکیں لیکن ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بالکل حق فرمایا، یقیناً اللہ کا منادی رمضان کی ہر رات میں یہ ندا دیتا ہے۔ اور ہمیں خیر اور نیکی کی طرف بلاتا ہے اور بدی کی جانب جانے سے منع کرتا ہے، اس لئے ہمارے دلوں اور ہماری روحوں کو اس مبارک مہینہ کی ہر رات میں محسوس کرنا چاہیے کہ اللہ کا منادی ہمیں بلا رہا ہے اور خیر کی طرف بڑھنے کی ترغیب دے رہا ہے، اور منکرات و معصیات سے بچنے کے لئے ہمیں آگاہی دے رہا ہے اور اس ندائے ربانی پر دل و جان سے لبیک کہہ کے نیکی اور سعادت کی راہ پر ہمیں مسلسل تیزی سے بڑھتے رہنا اور ترقی کرتے رہنا چاہیے اور منکرات و معصیات سے توبہ و استغفار کے ساتھ ان سے بچنے کے عزم کی بار بار تجدید کرتے رہنا چاہیے ——— اس ندائے ربانی کا یہی جواب ہو سکتا ہے۔

رمضان مبارک کی برکت و رحمت کا ایک خاص پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ اس مہینہ میں نیکیوں کے ثواب کا حساب عام حساب سے بہت زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے یعنی ایک نیکی مثلاً دو رکعت نفل یا ایک روپیہ کے صدقہ کا ثواب دوسرے دنوں کے اسی عمل کے لحاظ سے رمضان مبارک میں بیسوں گنا بڑھ جاتا ہے ——— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا رمضان مبارک ہی کے سلسلہ کا ایک خطبہ حدیث کی کتابوں میں حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کیا گیا ہے، یہ اچھا خاصا طویل خطبہ ہے، اس کا ایک جز یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا، مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ وَمَنْ اَدّٰی فِیْہِ فَرِیْضَۃً کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ‘‘

اس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان مبارک میں جو شخص نفلی قسم کا کوئی نیک کام کرے تو اس کا ثواب غیر رمضان کے فرض کے برابر ہوگا۔ اور رمضان میں جو فرض قسم کی نیکی کی جائے تو اس کا ثواب غیر رمضان کے ستر فرضوں کے برابر ہوگا۔

دوستو! اگر رمضان مبارک میں کوئی بھی فضیلت اس کے سوا نہ ہو، جب بھی

ہمیں خالص اپنے نفع اور اپنی کمائی کی خاطر رمضان مبارک کے اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ طاعات و عبادات میں گزارنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

اگر کسی تاجر کے لیئے کوئی ایسا مہینہ آئے کہ دوسرے دنوں ہی کے برابر محنت کر کے وہ ستر گنا زیادہ نفع کما سکے تو دیکھیئے کہ وہ اپنے کاروبار پر اس مہینہ میں کس شوق سے جان لگائے گا ـــــ اصل بات یہ ہے کہ اعمال کی جزا و سزا اور آخرت کے ثواب و عذاب کے بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ان اطلاعات پر جیسا یقین ایک صاحب ایمان کو ہونا چاہیئے ویسا ہم کو حاصل نہیں ہے، اگر ہم کو وہ یقین حاصل ہوتا تو رمضان مبارک میں ہمارا حال کچھ اور ہی ہو جایا کرتا۔

میں نے اپنے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ رمضان مبارک کے ایک لمحہ کو بھی غفلت میں نہیں گزارنا چاہتے رمضان مبارک کے ان کے معمولات کا اگر میں تفصیل سے ذکر کروں تو آسانی سے ہر ایک کو یقین بھی نہ آسکے، دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں وہ بس اتنا ہی آرام کرتے ہیں، جتنا کہ زندگی کے لیئے بالکل ناگزیر ہے۔ باقی سارا وقت ان کا ذکر و تلاوت اور دعا و عبادت وغیرہ میں مشغول رہتا ہے، بلکہ ہمارے ایک بزرگ تو وہ ہیں جن کے گھر کی مستورات کے بارہ میں بھی مجھے معلوم ہے کہ رمضان مبارک میں ان کا حال بھی کچھ ایسا ہی رہتا ہے، گھر کا سارا کام کاج، جھاڑو، برتن اور کھانا پکانا بھی خود ہی کرتی ہیں اور مختلف اوقات کے نوافل و تسبیحات کے علاوہ قریباً پورا قرآن مجید روز پڑھ لیتی ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیئے یہ آسان نہیں ہے، میں خود بھی ان باتوں کو آپ کے سامنے صرف نقل کر رہا ہوں ورنہ میں خود اس معاملہ میں بہت مقصر اور محروم رہنے والوں میں ہوں۔ لیکن ہم سب کو اتنا تو فیصلہ کر ہی لینا چاہیئے کہ جس قدر ہو سکے گا اس مبارک مہینہ کی رحمتوں اور برکتوں میں حصہ لینے کی کوشش

کریں گے۔

جو بھائی اس مہینہ میں اپنے آپ کو دوسرے کاموں سے فارغ کر سکیں انکے لئے سب سے بہتر یہ ہوگا کہ وہ یہ پورا مہینہ کسی ایسے ماحول میں گزاریں جو اللہ کے ذکر کا اور آخرت کی فکر کا ماحول ہو، اطاعات وعبادات کا ماحول ہو، صلاح وتقوے کا ماحول ہو، تربیت وتذکیر کا اور مجاہدہ کا ماحول ہو، اور جو بھائی پورے مہینے کے لئے ایسا نہ کر سکیں وہ کم از کم ایک عشرہ کے لئے اور خاص کر آخری عشرہ کے لئے اگر کر سکیں تو ضرور کریں۔ انشاء اللہ ان کی دینی ترقیات کے لئے بھی یہ چیز بہت مفید ہوگی، باقی جن بھائیوں کے حالات میں اس کی بالکل گنجائش نہ ہو وہ بھی کم از کم اس کا فیصلہ تو ضرور کرلیں کہ اس مہینہ میں منکرات ومعصیات سے بچنے اور طاعات وعبادات میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہنے کا وہ اہتمام کریں گے اور اپنے حالات کے مطابق وہ اس کا پروگرام بھی بنالیں بعض صاحب اور اک بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا رمضان میں جو دینی حال رہتا ہے اسی نسبت سے باقی پورے سال میں اس کا حال رہتا ہے

اس مہینہ کی عبادتوں میں سب سے اہم تو پورے مہینہ کے روزے رکھنا ہے جو رمضان کا ایک رکن ہے اور اس کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کے ایک دن کا روزہ بھی چھوڑ دے گا تو ساری عمر نفلی روزے رکھ کر بھی اس کی تلافی نہ کر سکے گا ——— اور اس کے اجر وثواب کے بارہ میں ایسی ایسی بشارتیں سنائی گئی ہیں کہ اگر وہ بشارتیں ساری عمر روزہ رہنے پر سنائی جاتیں تو یقیناً اہل ایمان ان کی طمع میں ساری عمر ہی روزے رکھا کرتے،

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ حدیث کی قریباً سب ہی کتابوں میں ایک حدیث مروی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ

نے ساری نیکیوں اور عبادتوں کے اجر و ثواب کا ایک کریمانہ قانون مقرر فرما دیا ہے، اور ہر شخص کی ہر عبادت اور نیکی کا ثواب اسی قانون کے مطابق بھرپور ملے گا، لیکن روزہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "روزہ میں چونکہ میرا بندہ میری وجہ سے اپنے کھانے پینے کی اور اپنی خواہش نفس کی قربانی کرتا ہے اس لئے میں روزہ کی جزا اس عام قانون سے الگ اپنے بندہ کو خود ہی دوں گا، حدیث کے الفاظ ہیں "اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّہٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یَدَعُ لِیْ شَہْوَتَہٗ وَطَعَامَہٗ وَشَرَابَہٗ"

یہ حدیث قدسی ہے یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اللہ تعالےٰ سے نقل فرمائی۔

پھر آگے اسی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ عِنْدَ اللّٰہِ اَطْیَبُ مِنْ رِیْحِ الْمِسْکِ۔

یعنی روزہ میں خلو معدہ کی وجہ سے بعض اوقات روزہ دار کے منہ میں جو ایک طرح کی بو پیدا ہو جاتی ہے (حضور فرماتے ہیں کہ) وہ اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔ گویا روزہ دار بندہ روزہ کی وجہ سے اللہ تعالےٰ کو ایسا محبوب ہو جاتا ہے کہ اس کے منہ کی بدبو بھی اللہ تعالےٰ کو اچھی لگتی ہے، اور مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ اچھی لگتی ہے،

میرے بھائیو! روزہ کا جو خاص اجر و ثواب اللہ تعالےٰ اپنے دست کرم سے روزہ دار کو خود عطا فرمائیں گے وہ تو خوش نصیب بندوں کو قیامت کے بعد ہی ملے گا اور وہ جو کچھ ہوگا وہیں جا کے معلوم ہوگا، لیکن میں تو عرض کرتا ہوں کہ یہی کیا کم اجر و ثواب ہے کہ اللہ تعالےٰ روزہ داروں سے ایسی محبت اور ایسے پیار کا اظہار فرمائیں ان کے منہ کی بو کے متعلق فرمائیں کہ وہ مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے، اور صبح سے شام تک کے روزہ کے بارہ میں فرمائیں کہ "میرا بندہ میرے لئے کھانے پینے کو اور شہوت نفس کے

تماشے کو چھوڑتا ہے،

ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک رخوں تہم و گوئی برائے من است

رمضان کے روزوں کی ایک فضیلت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ:-

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

جو شخص ایمان اور احتساب کی صفت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا اس کے پہلے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

اس حدیث میں رمضان میں روزہ رکھنے والوں کو پچھلے سارے گناہوں کی معافی اور بخشش کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور بلا شبہ ہم جیسے گناہگاروں کے لئے یہ بہت بڑی خوشخبری ہے، لیکن اس کے لئے شرط یہ لگائی گئی ہے کہ یہ روزے ایمان اور احتساب کی صفت کے ساتھ رکھے گئے ہوں۔ —— ایمان اور احتساب یہ دونوں دین کے خاص اصطلاحی لفظ ہیں، ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عمل کا اصل محرک اللہ و رسول پر ایمان اور ان کے بتلائے ہوئے ثواب کا یقین اور اس ثواب کی طلب و طمع ہو، تو جو نیک عمل اس صفت کے ساتھ کیا جائے وہی ایمان و احتساب والا عمل ہے، اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص رمضان کے روزے اس لئے رکھتا ہے کہ وہ اللہ و رسول پر ایمان لایا ہے اور ان کی شریعت کو اس نے قبول کیا ہے، اور قرآن و حدیث میں روزہ کا جو اجر و ثواب بتایا گیا ہے اس پر اس کا یقین ہے اور وہ روزے رکھ کے اس اجر و ثواب کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس شخص کے سب پچھلے گناہ ان روزوں کی وجہ سے معاف کر دیئے جائیں گے۔

رمضان مبارک کی دوسری خاص عبادت "قیام لیل" ہے (یعنی رات کو نماز کے لئے اللہ کے حضور میں کھڑا ہونا، اس میں تراویح اور تہجد دونوں داخل ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اس کی فضیلت و برکت بھی بالکل یہی بیان فرمائی ہے، آپ کا جو ارشاد میں نے ابھی سنایا، اس کے بعد متصلاً آپ کا ارشاد ہے،

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ.	اور جو بندہ رمضان کی راتوں میں اللہ کے حضور میں کھڑا ہو، ایمان واحتساب کے ساتھ اس کے پہلے سب گناہ بخشدیئے جائیں گے۔

میرے بھائیو! میرے خیال میں آپ سب حضرات اللہ کے فضل سے روزے رکھنے والے اور تراویح پڑھنے والے ہیں اور آپ میں سے بہت سے بھائی رمضان میں تہجد کے بھی عادی ہوں گے۔ اب اس حدیث کے سننے کے بعد ہم سب کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ ہمارے روزے اور ہمارے رات کے نوافل اور ہماری ساری عبادتیں ایمان واحتساب کے ساتھ ہوں۔ دراصل ایمان واحتساب ہر عمل اور ہر عبادت کی روح وجان ہیں۔ اور ان کے پیدا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ ہر عمل شعور اور نیت کے ساتھ کیا جائے اور اللہ کی رضا اور ثواب کی خاطر کیا جائے اور اس کے کرتے وقت اس یقین کو تازہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے، وہ میرے عمل کو دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اپنے روزے اور تراویح اور ساری عبادتیں اسی یقین اور نیت کے ساتھ اور استحضار کی کیفیت کے ساتھ ادا کریں۔ اگر یہ نصیب ہو گیا تو سمجھو سب کچھ نصیب ہو گیا۔

رمضان مبارک کی ان دونوں عبادتوں (صیام وقیام) کے متعلق ایک حدیث اور سن لیجئے، مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ	دن کے روزے اور رات کو کھڑے
لِلْعَبْدِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ اَیْ	ہو کر نوافل میں قرآن پڑھنا یا سننا
رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ	یہ دونوں عبادتیں قیامت کے
وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ	دن بندہ کے حق میں اللہ سے
فِیْہِ وَیَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُہُ	شفارش کریں گی، روزے کہیں
النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ	گے کہ اے پروردگار میری وجہ سے
فَیُشَفَّعَانِ۔	یہ بندہ کھانے پینے سے اور خواہش

نفس پورا کرنے سے دن میں رکا رہا اس لئے میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما، اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات میں سونے نہیں دیا اس لیے میری شفاعت اس کے حق میں قبول فرما! اللہ تعالےٰ ان دونوں کی یہ شفاعت اس کے حق میں قبول فرمائے گا۔

میرے بھائیو اور دوستو، ان روزوں کی اور رمضان کی راتوں میں جاگنے اور قرآن پاک میں مشغول رہنے کی قدر وقیمت اسی وقت معلوم ہو گی جب اللہ کے دربار میں یہ ہمارے سفارشی بن کے کھڑے ہوں گے اور ان کی سفارش پر جب ہمارے لئے گناہوں کی مغفرت کا اور رحمت وجنت کا فیصلہ کیا جائے گا،

لیکن روزوں کی اور رات کے نوافل (تراویح وغیرہ) کی یہ ساری فضیلتیں اور برکتیں جبھی ہیں جبکہ یہ عبادتیں اخلاص کے ساتھ اور ایمان واحتساب کی

صنعت کے ساتھ کی جائیں، اور ان ہدایات کے مطابق کی جائیں، جو ان کے بارہ میں رسول اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں، ورنہ خود حضور کا ارشاد ہے،

كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ۔

کتنے ہی روزے رکھنے والے ایسے ہیں کہ ان کے روزوں کا حاصل سوائے پیاس (اور بھوک) کے کچھ نہیں، اور کتنے ہی رات کو تراویح پڑھنے والے ایسے ہیں کہ سوائے جاگنے کے ان کی تراویح کا کچھ حاصل نہیں،

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا،

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ

جو شخص روزے میں جھوٹ اور غلط باتیں اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی پروا نہیں،

ایک اور حدیث میں ہے، حضور نے ارشاد فرمایا،

الصَّائِمُ فِي صَوْمِهِ مِنْ حِينَ يُصْبِحُ إِلَى أَنْ يُمْسِي مَا لَمْ يَغْتَبْ فَإِذَا اغْتَابَ خَرَقَ صَوْمَهُ۔

روزہ دار صبح کے وقت سے شام آنے تک روزہ کی حالت میں رہتا ہے تاوقتیکہ غیبت نہ کرے، پس اگر اس نے کسی کی غیبت کی تو روزہ میں شگاف ہو گیا،

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی،

إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ

جب تم میں سے کسی کے روزے کا

فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ۔

دن ہو تو وہ کوئی بیہودہ حرکت اور بیہودہ بات نہ کرا اور تیزی میں زور سے بھی نہ بولے اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ کرے اور لڑنا چاہے تو اس سے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں،

حضور کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ جھوٹ، غیبت، گالی بازی اور چیخنے چلانے سے اور ہر بد عمل اور معصیت سے روزہ خراب ہوتا ہے، اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ ہر نیک عمل سے مثلاً قرآن کی تلاوت، ذکر اللہ، نفل نماز، صدقہ و خیرات اور تمام طاعات و حسنات سے روزہ کی نورانیت اور قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے،

دراصل رمضان کا پورا مہینہ اس لیئے ہے کہ دن کو روزہ ہو، رات کو تراویح ہوں، پھر تہجد ہو، اللہ کا ذکر ہو، قرآن مجید کی تلاوت ہو، دعا ہو، توبہ ہو، استغفار ہو، معصیات سے بلکہ ہر ناپسندیدہ بات سے بھی پرہیز ہو ——

دوستو! ہمت کر کے ارادہ کرو کہ یہ رمضان انشاءاللہ اسی طرح گزاریں گے معلوم نہیں اس کے بعد ہم میں سے کس کو رمضان آئے اور کس کو نہ آئے! کتنے اللہ کے بندے ہیں جنھوں نے پہلے رمضان میں ہمارے ساتھ روزے رکھے تھے، تراویح پڑھی تھیں، اور سال پورا ہوتے سے پہلے ہی وہ اس دنیا سے اٹھا لیئے گئے ہم میں سے کسی کو خبر نہیں کہ اگلا رمضان ہم کو زمین کے اوپر آئے یا زمین کے نیچے قبر میں!

ہاں! ایک بات رہ گئی، رمضان کے خاص اعمال میں سے روزہ اور تراویح کے علاوہ ایک اعتکاف بھی ہے، اعتکاف کا مطلب یہ ہے کہ بندہ ہر طرف سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کے اللہ ہی کے آستانہ پر جا پڑے، اور گویا اسی کے

قدموں میں جا گرے، یعنی اللہ کی کسی مسجد میں اپنے جسم کو مقید کردے، ناگزیر بشری حاجات و ضروریات کے سوا وہاں سے قدم نہ نکالے، اسی طرح اپنے باطن کو حضرت اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کردے، اسی کا دھیان ہو، اسی کی یاد ہو، اسی کی عبادت ہو، اسی کی حمد و تسبیح ہو، اسی سے مانگنا اور اس کے حضور میں رونا اور گڑگڑانا ہو۔

—— رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، ایک سال کسی خاص وجہ سے آپ اعتکاف نہ فرما سکے تو اگلے سال بیش دن کا اعتکاف فرمایا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سال آپ نے پورے مہینے رمضان کا بھی اعتکاف فرمایا تھا، آپ میں سے جن حضرات کیلئے موقع ہو وہ اعتکاف کی سعادت اور برکت بھی حاصل کریں، اور جن کے حالات میں اس کی گنجائش نہ ہو وہ بھی اتنا تو کم از کم ضرور ہی کریں کہ آخری عشرہ میں اپنے دوسرے مشغلوں کو کم سے کم کردیں، اور دن رات کا زیادہ سے زیادہ حصہ نوافل اور ذکر و تلاوت اور دعا و استغفار اور اسی طرح کے دوسرے اعمال خیر میں گزاریں، اسی آخری عشرہ میں اکثر و بیشتر رحمتوں اور برکتوں والی وہ رات آتی ہے جس کو قرآن مجید میں "لیلۃ القدر" کہا گیا ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ وہ قدر و قیمت اور نزول برکات میں ہزار مہینوں سے بھی بہتر اور بڑھ کر ہے، اگر آپ نے پورا رمضان مبارک اور خاص اس کا آخری عشرہ میرے عرض کرنے کے مطابق اہتمام سے گزارا تو انشاء اللہ رمضان مبارک کی عمومی اور خصوصی برکتوں سے محرومی نہیں رہے گی —— اللہ تعالیٰ کسی طالب کو محروم نہیں رکھتا، بس سچی طلب اور ثابت شرط ہے، ایک حدیث قدسی میں اس کا ارشاد تو یہ ہے کہ بندہ میری طرف ایک قدم چلے تو میں دو قدم اس کی طرف بڑھتا ہوں، اور وہ اگر کچھ تیز چل کر آئے تو میں دوڑ کے اس کی طرف آتا ہوں ——

بھائیو! اس ارحم الراحمین کی رحمت سے محروم رہنا بڑی ہی بدنصیبی اور بدبختی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَسْعِدْنَا وَلَا تُشْقِنَا!

عید کا پیغام

یہ تقریر سنہ ۱۳۸۷ھ (سنہ ۱۹۶۸ء) کی عید الفطر کے دن دارالعلوم
ندوۃ العلماء کی مسجد میں نماز عید کے بعد خطبہ کے ساتھ
کی گئی تھی

(حمد و صلوٰۃ کے بعد)

میرے محترم بھائیو، بزرگو اور دوستو!

ہم اور آپ سب آج اس حال میں ہیں کہ ہم میں سے غالباً سب نے غسل کیا ہو گا، ہم میں سے بہت کم وہ بھائی ہوں گے جو نیا کپڑا پہن کر نہ آئے ہوں، وہ بھی اپنے حالات کے مطابق آج اچھے کپڑے پہن کر ضرور آئے ہیں۔ اور اگر اللہ نے نصیب کیا ہو تو انھوں نے خوشبو بھی استعمال کی ہے۔ ان تیاریوں کے بعد ہم اللہ کے اس گھر میں آئے ہیں اور یہاں اگر اللہ کے حضور میں ہم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں، اس طریقہ پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتلایا تھا۔

ہم اور آپ اس موقع پر یاد کریں، اس وقت بھی یاد نہ کریں گے تو کب یاد کریں گے کہ ایک وقت وہ ہوگا جب ہم اس دنیا میں آخری مرتبہ نہائیں گے، نہائیں گے نہیں بلکہ نہلائے جائیں گے۔ آج ہم نے نئے کپڑے پہنے ہیں، اس دن ہمیں نئے کپڑے پہنائے جائیں گے، آج ہم نے خوشبو لگائی ہے اس دن ہمارے اس آخری لباس پر خوشبو لگائی جائے گی۔ آج ہم نماز پڑھنے گھر سے نکل کر آئے ہیں، اس دن لوگ ہم کو گھر سے لے کر جائیں گے اور بجائے اس کے کہ ہم نماز پڑھیں ہماری نماز پڑھی جائے گی، اس کے بعد ہم اس راستے پر پہونچا دیے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک جائے گا گویا قبر اس راستے کی پہلی منزل ہے۔

میرے بھائیو، عزیزو، اگر اور اوقات میں یہ بات یاد نہیں آتی تو آج کے

دن اس وقت تو ضرور یاد آنی چاہیے کہ اس دن اور اس کے آگے کیا ہوگا؟

یہاں تک کی منزلیں تو وہ ہیں جو ہماری آپ کی جانی پہچانی ہیں، ہم نے اللہ کے بندوں کو، اپنے سے بڑوں کو اور چھوٹوں کو، اپنے سے کم عمر والوں کو، بچوں کو، جوانوں کو، بوڑھوں کو اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا ہے، اپنے ہاتھوں سے غسل دیا ہے، اور غسل دیتے ہوئے دیکھا ہے، کفن پہنایا ہے اور کفن پہناتے ہوئے دیکھا ہے، ان کی نماز جنازہ پڑھی ہے اور پڑھی جاتی ہوئی دیکھی ہے اسی طرح اللہ کے بندوں کو، چھوٹوں کو، بڑوں کو، اپنے بھائیوں کو، بزرگوں اور عزیزوں کو قبر میں اتارا ہے اور اتارتا ہوا دیکھا ہے۔

تو میرے بھائیو! یہاں تک کی منزلیں وہ ہیں جو میری اور آپ کی سب کی دیکھی بھالی ہیں اور ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ اگر ہماری موت طبعی ہوئی، یعنی دریا میں ڈوب جانے جیسی کوئی غیر معمولی بات پیش نہ آئی تو بلاشبہ ان منزلوں سے مجھے اور آپ کو سب کو گزرنا ہے، بہرحال اس میں نہ تو آپ کو شک ہے اور نہ مجھے شک ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو ان منزلوں سے گزرنا ہے، اور یقیناً ایک دن وہ آئے گا کہ ہمارا آخری غسل ہوگا اور آخری لباس پہنایا جائے گا۔ اس کے بعد آخری نماز ہوگی جو ہم پر پڑھی جائے گی۔ اور اس کے بعد اس راستہ پر پہنچا دیا جائے گا جس راستہ کی پہلی منزل قبر ہے — پھر اس کے آگے کیا ہوگا؟ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے ان آنکھوں سے نہیں دیکھا، لیکن اللہ گواہ ہے کہ یہ اتنی یقینی بات ہے جتنی یہ سب کچھ یقینی ہے، جو کچھ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا اور فرمایا حضور نے جو کچھ بتایا اگرچہ میں نے نہیں دیکھا لیکن حضور نے جو بتایا وہ میرے دیکھے ہوئے سے زیادہ یقینی ہے، آپ نے فرمایا — اَلْقَبْرُ اِمَّا رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَاِمَّا حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ — اللہ کے بندو!

تمیں اس امر کی خبر نہیں قبر کے نیچے پہونچنے کے بعد پھر کیا ہوتا ہے فرمایا وہ حالت دو میں سے ایک حال ہے کوئی تیسرا بیچ کا نہیں "اِنَّمَا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ" اگر بندہ تیاری کر کے گیا ہے اور وہ مستحق ہے اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے اخلاق کی وجہ سے رحمت خداوندی کا، تو اس کے لیے جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، وہ ایک درجہ کی جنت میں پہونچ چکا، اس کے لیے وہاں "فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ" اس کے لیے وہ سب کچھ ہے جو بندہ چاہتا ہے اور اس کا سلسلہ یہیں سے شروع ہے، اور اسی طرح فرمایا کہ اگر یہ بات نہیں ہے اور بندہ وہ کمائی کر کے نہیں لے گیا جو قبر کو اس کے لیے جنت بنائے اور راحت کدہ بنائے اور اگر وہ سامان کر کے نہیں لے گیا جو یہاں کرنا چاہیے تو آپ نے فرمایا "وَإِمَّا حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ" پھر وہ، اللہ کی پناہ! دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

ایک دفعہ رسول اللہؐ کا گزر بعض قبروں پر سے ہوا آپ جس خچری پر سوار تھے وہ غیر معمولی طور پر بھڑک گئی جس طرح کہ گھوڑے وغیرہ کسی ڈراونی چیز کو دیکھ کر بھڑک جاتے ہیں اور اس کی عجیب کیفیت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تحقیق کرو کہ یہ قبریں کس کی ہیں اور اس کے بعد فرمایا کہ یہاں بعض قبروں پر عذاب ہو رہا ہے، فرمایا کہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس کو انسانوں سے مخفی رکھا گیا، اور حق یہ ہے کہ اگر انسانوں سے مخفی نہ رکھا جائے تو ایک قبر کے عذاب کو دیکھ کر زندگی حرام ہو جائے، انسان زندہ رہنے کے قابل نہ رہے، خود حضورؐ نے فرمایا کہ جو کچھ اللہ نے مجھے دکھایا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ حقیقتیں منکشف کی جاتی تھیں جو ہمارے اور آپ کے لیے غیب ہیں، ہمیں نہیں دکھائی جاتیں، ہم انھیں سہار نہیں سکتے، حضورؐ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ کی سیر کرائی کہ مشاہدہ کے بعد لوگوں کو بتا سکیں اسی طرح بہت سی

حقیقتیں حضور پر منکشف کی گئیں) تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کے بندو! جو کچھ اللہ تعالیٰ مجھے دکھا دیتا ہے اگر تمہیں دکھا دیا جائے تو تم گریبان پھاڑتے ہوئے اور اپنے کپڑوں کو تار تار کرتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاؤ، تمہیں بستروں پر آرام نصیب نہ ہو، بیویوں سے کبھی خوش طبعی کی بات نہ کر سکو، تو حق یہ ہے کہ جو کچھ قبروں میں ہونے والا ہو وہ ہم سے مخفی ہے لیکن جو کچھ حضورؐ نے فرمایا وہ برحق ہے۔

دوستو! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے بندو! اے میرے بھائیو! اپنے نفس سے پہلے کہتا ہوں ــــ اگر روز یاد نہیں آتا تو آج ضرور اس کا خیال کرو کہ آج میں نے غسل کیا تھا ایک دن مجھے غسل کرایا جائے گا، آج میں نے کپڑے پہنے ہیں ایک دن مجھے کپڑے پہنائے جائیں گے، آج میں یہاں تک آیا ہوں ایک دن میں قبر تک پہونچایا جاؤں گا اور قبر میں پھر کیا ہوگا، میں نے بتایا کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے، اس کے لئے سوچ...

.....کہ اس کے لیے کیا تیاری کی ہے، یہی وقت ہے سوچنے کا، اس کے بعد وقت نہیں، قرآن پاک نے پکار کر کہا یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِیرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو مرنے کے بعد کی فکر کرو اور کل کے لیے جو کچھ تیاری کی ہے اس پر غور کرو اور سوچو فرمایا حَاسِبُوا قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا۔

یہ جو میں عرض کر رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم تھا کہ اللہ کے بندوں کو یاد دلایئے، ہم اس دنیا میں رہ کر، حالانکہ حقیقت بالکل کھلی ہوئی ہے روز مرنے والوں کو مرتا ہوا دیکھتے ہیں، روز جلنے والوں کو جاتا ہوا دیکھتے ہیں اس کے بعد بھی، عادی ہیں اس بات کے کہ غفلت رہتی ہے۔ حضورؐ کو حکم ہے وَأَنذِرْهُمْ یَوْمَ الْآزِفَةِ ...... اے پیغمبر انھیں قیامت کے دن سے

ڈراؤ، ان میں فکر پیدا کرو، إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ، جب کہ حالت یہ ہوگا
کہ کلیجے منہ کو آئیں گے کاظمین جب انسان کو ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے کو
بھینچتا ہے، دباتا ہے۔ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ۔۔ فرمایا جو ظلم
کرتے ہیں اپنے نفسوں پر جنھوں نے اللہ کو ناراض کرنے کا بھرپور سامان کیا ہے، ان
کے لیے وہاں کوئی دوست نہ ہوگا نہ کوئی سفارشی جو ان کے حق میں شفاعت کے لیے
زبان کھول سکے اور اس کی سنی جائے۔ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي
الصُّدُورُ ۔۔۔۔ اللہ خوب جانتا ہے آنکھوں کی چوریوں کو بھی، آدمی اپنے پاس
والے سے آنکھ بچا سکتا ہے لیکن اللہ سے۔ نہیں بچا سکتا جو کچھ میرے دل میں ہے میری بیوی
نہیں جانتی میرا بچہ نہیں جانتا میرا قریب سے قریب دوست نہیں جانتا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ اس سے
بھی واقف ہے، اس دن کو یاد کرو، يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ جبکہ سارے راز کھل جائیں
گے، وہ باتیں جو کہ ہم نے رات کی تاریکی میں یہ سمجھ کر کیں کہ کوئی اس سے واقف نہ ہو سکے گا
میرے بیٹے کو پتہ نہیں چلے گا، میری بیوی کو پتہ نہیں چلے گا، بلکہ اللہ سب کچھ جانتا ہے
زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور اسے بولنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ ہاتھ بولے گا کہ مجھے اس
کام کے لیے استعمال کیا گیا، پاؤں بتائے گا کہ مجھ سے یہ کام لیا گیا، آنکھ گواہی دے گی کہ
مجھے اس گندے کام کے لیے استعمال کیا گیا تھا، اور لب گواہی دیں گے کہ مجھ سے یہ خبیث کام
لیا گیا تھا، اور حقیقت ہے ان کی گواہی برحق ہوگی اور سامنے ہوگی۔ قرآن شریف میں
ارشاد ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۔۔۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ
اللہ کے یہاں درج ہوتا رہتا ہے، پرانے زمانے میں اس کا سمجھنا مشکل تھا اور یہ سمجھا
جاتا تھا کہ ادھر ہم نے بولا اور ادھر فرشتہ نے لکھا، لیکن اس زمانے میں مثال سامنے آگئی
ہے کہ جو کچھ میں بول رہا ہوں وہ ریکارڈ کر لیا جاتا ہے اور بعد میں ویسے ہی الفاظ ہو بہو
اسی طرح وہ مشین سناتی ہے کہ میں ان کے کسی لفظ سے منحرف نہیں ہو سکتا اور کوئی

تاویل نہیں کر سکتا، میرا لب و لہجہ بھی وہ مشین بتلائے گی۔ اسی طرح میرے ہاتھ بتائیں گے کہ میں نے یہ کام کیا اور پاؤں بھی بتائیں گے اور میں منحرف نہیں ہو سکوں گا۔ اور نہ تاویل کر سکوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ میری حرکات بالکل اصلی شکل میں میرے سامنے آئیں اور میرے سامنے بالکل وہی منظر پیش کیا جائے تو اس دن میری کیا حالت ہوگی، میرے گناہ، میری سیہ کاریاں، میرے بھائی کے سامنے ہوں گی، میرے بیٹوں کے سامنے ہوں گی، میرے بزرگوں کے سامنے ہوں گی، میرے مریدوں کے سامنے ہوں گی، میرے نماز کے مقتدیوں کے سامنے ہوں گی، ذرا سوچو کہ اس دن کے لیے تم نے میں نے کیا تیاری کی ہے؟

اگر اور اوقات میں نہیں سوچتے تو آج سوچو، اگر اللہ توفیق دے تو آج کے دن دیکھا جائے، آج کے دن غور کیا جائے۔ یاد ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبری عطا فرمائی تو سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ کوہ صفا پر چڑھے اور آپ نے ایک خاص قسم کی ندا کی، ایسی خاص ندا کہ جیسے اس زمانے میں سن کر لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے اکابر اور سرداران قریش جمع ہو گئے تو آپ نے ان سے پہلی بات کیا کہی تھی۔ ایک بات کہی کہ اے اللہ کے بندو! میں اس وقت یہاں اس پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوا ہوں، اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک فوج آچکی ہے جو تم پر حملہ آور ہونے والی ہے، تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو، تم پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو اور میں پہاڑ کے اوپر ہوں میری نگاہ ادھر ہے تو تم میری بات مانو گے؟ اس مجمع نے کہا بے شک ہم تسلیم کریں گے اور اس کو صحیح بات سمجھیں گے "ماجربنا علیک کذبا" اس لیے کہ ہم نے کبھی تجربہ نہیں کیا کہ آپ نے کوئی غلط بات کہی ہو، اس کے بعد آپ نے جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ اللہ کے بندو! جس طرح یہ ایک حقیقت ہے میں اسی طرح تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ مجھے اللہ نے بتایا ہو کہ سب

انسانوں کو مرنے کے بعد اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے، اور وہاں جزا اور سزا ہے، تو پہلی بات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ یہ تھی، میں کہتا ہوں آج ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والے اس حقیقت سے غافل ہو گئے، کتنے میرے بھائی ہیں کہ انھیں ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ بھی موت یاد نہیں آتی، کتنے میرے بھائی ہیں کہ انھیں مہینے گزر جاتے ہیں، حالانکہ یہ تو وہ چیز تھی جس سے ایک لمحہ کیلیے بھی آدمی غافل نہ ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا "یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ" اور یہ فرمایا گیا "یا ایھا الناس اتقوا ربکم واخشوا یوما لا یجزی والد عن ولدہ الخ" فرمایا گیا "یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ الخ" ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔ ہر ایک اس وقت دوسرے کو بھول جائے گا، بلکہ اس سے بھاگے گا۔

اپنی فکر کی آخری حد ہے کہ اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام سارے پیغمبروں میں حضورؐ کے بعد ان کا مرتبہ ہے، لیکن ان کے متعلق ہے کہ وہ عرش کا پایہ تھام کر عرض کریں گے رب نفسی لا اسئلک غیرھا ان کا حال اس دن یہ ہوگا کہ عرش الٰہی کا پایہ ہاتھ میں ہوگا اور کہیں گے کہ میں اپنے نفس کی نجات کے علاوہ اس وقت تجھ سے کچھ عرض نہیں کرتا، بس میری نجات کا فیصلہ فرمائے اور میری بخشش کر دے، اس جلال و قہر کے وقت ابراہیم علیہ السلام جیسے خلیل کا حال یہ ہوگا کہ کہیں گے رب نفسی لا اسالک غیرھا ــــ اے میرے بھائی اگر نہیں سوچا ہے تو اب سوچو اور سوچنے کے بعد طے کرو، یہ بے فکری کی چیز نہیں، رسول اللہؐ نے فرمایا اور ساتھ راستہ بھی بتایا کہ مسئلہ کس طرح حل ہوگا۔ ہم گنہگاروں کے لیے راستہ کیا ہے۔

جو دن گزر چکے، جو وقت گزر چکا اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ سے استغفار ہو کہ اے اللہ ہم گنہگار ہیں ہمیں معاف فرما دے، رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بندہ

جب سچے دل سے استغفار کرے اور ارادہ کرے کہ آئندہ اپنے کو سنبھالوں گا تو اللہ تعالیٰ رحیم ہیں کریم ہیں سعادت فرما دیں گے۔ اور آگے کے لیے راستہ یہ ہے کہ بندہ سچے دل سے ارادہ کرلے کہ اپنی حالت بہتر بناؤں گا، بھائی میں یہ نہیں کہوں گا اور نہ میں خود اس حال میں ہوں اور نہ آپ سے امید کرتا ہوں کہ ہم معصوم صفت ہو جائیں گے، لیکن اتنی بات تو بڑی آسان ہے میرے بھائی اللہ کے معاملے کا سارا انحصار اسی پر ہے کہ سچے دل سے بندہ یہ طے کرلے کہ اے اللہ میں تجھ سے غافل نہیں رہوں گا۔ بندہ یہ طے کرلے کہ کم سے کم فرائض جنھیں اللہ نے لازم قرار دیا ہے میں اُن کو نہیں چھوڑوں گا، موٹے موٹے محرمات اور منکرات جن پر اللہ کا غضب ہو، جن پر قرآن مجید میں وعید آئی ہے اُن سے بچنے کی کوشش کروں گا، اور خدانخواستہ اگر لغزش ہوجائے، پھر گناہ سرزد ہو جائے، کوئی فرض چھوٹ جائے، خدانخواستہ کسی حرام میں مبتلا ہو جائے، تو پھر اللہ کی طرف رجوع کرے اور پھر معافی مانگے تو بخشش کی پوری امید ہے، اللہ کا سچا وعدہ ہے۔ اگر اس رحیم و کریم سے آدمی پھر بھی بخشش نہ طلب کرے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ذہن نے ان حقیقتوں کو قبول نہیں کیا ہے۔

آپ غور تو کریں اگر دیانتداری سے جنت اور دوزخ کی ان باتوں کو آپ صحیح سمجھتے ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں تو ہم کیسے بے فکر رہ سکتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا دوزخ کے بارے میں کہ سب سے ہلکے درجے کا عذاب، دوزخ میں جس شخص کو ہوگا جس سے نیچے درجے کا کوئی عذاب نہیں ہے، ——— یہ ہوگا کہ اُس کے تلوے کے نیچے آگ کا انگارہ ہوگا اور اُس کے اثر سے اُس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی کھولتی ہے، اگر یہ بالکل حق ہے، اگر یہ افسانے نہیں ہیں، معاذ اللہ محض ڈھکوسلے نہیں ہیں، حضورؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل برحق ہے، قرآن مجید میں جو کچھ فرمایا گیا وہ برحق ہے، اور واقعی اُس پر ایمان ہے تو بے فکری کی کوئی گنجائش نہیں ہے

میں، یہ کہتا ہوں، اپنے لیے بھی کہتا ہوں اتنا آج کام کرلیں، یہ عید کا دن ہے، خوشی کا دن ہے، بڑا مبارک دن ہے، اگر آج کے دن ہم اتنا کام کرلیں کہ اللہ کو راضی کرلیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا از سرِ نو عہد کرلیں، اب تک جو گناہ ہوئے ہیں، یہ جو آپ کے سامنے کھڑا ہوا بول رہا ہے بڑا گنہگار بندہ ہے، خدا جانتا ہے بڑا سیہ کار بندہ ہے، وہ بھی اس کا محتاج ہے، اور آپ سے بھی عرض کرتا ہے، بھائی اللہ ہی جانتا ہے ہمارے حالات کیا ہیں، اس وقت یہ کام کرکے اس عید کو عید بنا کے اٹھیں، جو گناہ اب تک ہوئے ہیں اُن کے لیے سچے دل سے معافی مانگیں، آئندہ کے لیے ارادہ کرلیں۔ نہیں اتنی بات آپ سے کہتا ہوں کہ اللہ کے یہاں حقیقی معنوں میں مومن مانے جانے کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی سچے دل سے یہ طے کرلے کہ میں کوشش کروں گا کہ اللہ کے احکام کی تابعداری ہو، اب اس کے بعد بھی اس سے غلطیاں یا لغزشیں ہوں گی، جب لغزش یا غلطی ہو تو پھر اللہ کی طرف رجوع کرکے معافی چاہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک بندہ ۷۰ دفعہ بلکہ ....، دفعہ بھی اگر اُس سے غلطی ہو اور توبہ ٹوٹے تو سچے دل سے وہ جب بھی توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ معاف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ بے شک رحیم ہیں مگر کسی کے دھوکہ میں آنے والے نہیں، اگر بندہ ہزار دفعہ بھی واقعی توبہ اپنی غلطی سے توڑے اور پھر ایک ہزار ایک ویں دفعہ اللہ کے حضور میں عرض کرے کہ اے اللہ مجھ سے غلطی ہوئی اب معاف فرمادے اور میں آگے کے لیے توبہ اور احتیاط کروں گا تو اللہ تعالیٰ کسی منزل پر یہ نہیں کہے گا کہ اے بے حیا تو اس قابل نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا رحم اور کرم ہے، اس رحم و کرم سے فائدہ اٹھانے کے لیے بھائیو! اس کی ضرورت ہے کہ اپنی جگہ یہ طے کرلیا جائے کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، اگر ابتک آپ نماز کے پابند نہیں ہیں تو کم سے کم اب سمجھیں کہ یہ شرطِ ایمان ہے نماز کی پابندی کا عہد کرکے اٹھیں جو موٹے موٹے گناہ ہیں اُن سے بچنے کا عہد کرکے اٹھیں، انشاء اللہ اگر اتنا کرلیا تو آگے کی کمی بیشی پوری ہوتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب اعمال کا بھی ہوگا اخلاق کا بھی، جہاں نماز کی بات کہی ایک چیز اور بہت اہم ہے وہ یہ کہ اللہ کے بندوں کے بارے میں بہت محتاط رہیں۔ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز روزہ اور صدقہ کا ذکر کر کے فرمایا، بعض چیزیں وہ ہیں جو ان چیزوں سے بھی زیادہ اہم ہیں' اس موقعہ پر آپ نے بندوں کے حقوق کے بارے میں بات فرمائی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بندہ نماز روزہ وغیرہ یہاں سے سب لے کے جائے لیکن اللہ کے بندوں کی حق تلفیاں کی ہیں اُن پر ظلم کیا ہے اُن کی چیزیں غصب کی ہیں، اُن کو ستایا ہے، ان کا دل دُکھایا ہے اور ساری یہ چیزیں ساتھ لے کر گیا ہے تو ایسا بھی ہوگا قیامت میں کہ ایک شخص بہت نماز روزہ لے کر گیا تھا لیکن وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ اس کے اعمال نامہ میں اس طرح کے مظالم بھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف ہوگا اور انصاف اس طرح کہ جن لوگوں کو اس نے ستایا تھا اور جن کی حق تلفی کی تھی جن کی غیبت کی تھی، جن کو گالیاں دی تھیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف یہ ہوگا کہ اس کی نماز اس کے اُس کے روزے، اُس کی عبادتیں اور اس کی کمائی میں سے وہاں کی مقرر کی ہوئی شرح کے مطابق اُن کو دلوایا جائے گا، یہاں تک حضورؐ نے فرمایا کہ ایسا بھی ہوگا کہ ایک شخص سب کچھ لے کے گیا ۔ اور وہاں اُس کے پاس ایک پائی بھی نہیں رہے گی اور سب اُن لوگوں میں تقسیم ہو جائے گا جن کی اس نے حق تلفی کی تھی۔

تو بھائی میں کہتا ہوں کہ دین کے دو بازو ہیں۔ ایک تو اللہ نے جو چیزیں ہمارے ذمہ کی ہیں اُن کا اہتمام کرنا اللہ کے فرائض ادا کرنا اور اللہ کے بندوں کے جو حقوق مقرر کیے گئے ہیں اُن کے بارے میں محتاط رہنا، میرے بھائی اللہ تو بڑے کریم ہیں بڑے رحیم ہیں، بندوں کو چاہیئے کہ ان کے رحم و کرم سے فائدہ اُٹھائیں۔

میں ابھی کہہ چکا کہ آخرت کا حال تو یہ ہوگا کہ باپ بیٹے کے کام آنے سے انکار

کر دے گا اور بیٹا باپ کے کام آنے سے انکار کر دے گا، نفسی نفسی کا عالم ہوگا، میرے بھائی بس اتنی ہی بات عرض کرنی ہے کہ کم سے کم اتنی بات طے کر کے اُٹھیں، نمبر ۱ عہد کرتے ہیں کہ فرائض نہیں چھوڑیں گے، نمبر ۲ جو موٹے موٹے محرمات اور منکرات ہیں جن سے اللہ اور اُس کے رسولؐ نے بیزاری ظاہر فرمائی ہے اور جن پر لعنت آئی ہے اور جن کے متعلق دوزخ کی صریح وعید ہے، اُن سے بچیں گے، اللہ کے بندوں کے معاملے میں محتاط رہیں گے اور آئندہ جب کبھی اس میں کوتاہی اور غلطی ہوگی تو اللہ سے معافی اور اُس کی تلافی کی کوشش کریں گے۔ اگر سچے دل سے ہم یہ عہد کر کے اُٹھے تو اللہ کی طرف سے رحم و کرم کا معاملہ یقینی ہے اور پھر آج ہماری عید ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

یہ کتاب اسم بامسمیٰ قرآنی دعوت اور اس کی اہم تعلیمات کا
ایک جامع مرقع ہے جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی
آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے
خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار
ہے، یہ ایک بالکل نئے طرز کی کتاب ہے جو قرآن کی دعوت و تعلیم سے
روشناسی کے ساتھ قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے

سائز ۳۰×۲۰ چار سو سے زائد صفحات۔ بہترین کاغذ معیاری
کتابت و طباعت مجلد مع گردپوش، قیمت -/۶
انگریزی ایڈیشن، پندرہ روپے صرف

عید کا خطاب

یہ تقریر عید الفطر ۱۳۸۸ھ کی نماز اور خطبہ کے بعد دار العلوم

ندوۃ العلماء کی مسجد میں کی گئی تھی اور

ٹیپ ریکارڈ کر لی گئی تھی۔

(حمد و صلوٰۃ کے بعد)

آپ میں سے بہت سے بھائیوں کو، بلکہ قریب قریب سب ہی بھائیوں کو عید کا یہ دن آج سے پہلے بھی بار بار آیا ہوگا، اور خدا کرے کہ اس کے بعد بھی بار بار آئے، لیکن ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک عید ایسی بھی ہوگی جو آخری عید ہوگی میں نے آج آپ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ آج کے بعد میں عید کی کوئی نماز پڑھوں گا یا نہیں، آپ سب نے بھی اس وقت میرے ساتھ عید کی نماز پڑھی ہے، مگر آپ میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں کہ اس کے بعد عید کی نماز پڑھنا نصیب ہوگا یا نہیں، ہمارے ہزاروں لاکھوں بھائی تھے جنھوں نے پارسال عید کی نماز ہماری طرح پڑھی تھی، وہ اُن کی آخری عید کی نماز تھی، آج کی عید آنے سے پہلے وہ اس دنیا سے اُٹھا لیے گئے اور انھیں آج کی یہ نماز پڑھنا نصیب نہیں ہوا۔ میرے بھائیو! یقیناً میرے اور آپ کے لیے بھی کسی عید کی نماز آخری ہوگی، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم میں سے کس کس کی آج آخری عید ہوئی ہے۔ اور اس کے بعد زندگی میں کوئی عید نہیں آئے گی۔

میرے بھائیو! اتنی بات میں تو کسی کافر کو بھی شبہ نہیں ہے کہ وہ اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہے گا، اور ایک وقت آئے گا جب وہ اس دنیا سے اُٹھا لیا جائے گا۔ میں نے اور آپ سب نے سیکڑوں ہزاروں کو مرتے ہوئے اور اس دنیا سے جاتے ہوئے دیکھا ہے، اپنے سے بڑوں کو بھی جاتے ہوئے دیکھا ہے، اپنی عمر والوں کو بھی

جاتے ہوئے دیکھا ہے اپنے سے چھوٹوں کو اور بہت چھوٹوں کو جاتے ہوئے دیکھا ہے بلکہ اپنے ہاتھوں سے نہلایا، کفنایا اور دفنایا ہے اس لیے اس میں تو کسی کو شبہ نہیں کہ ہم بھی کسی دن میں یا کسی رات میں، اسی طرح اس دنیا سے چلے جائیں گے ــــــ پھر اس کے بعد کیا ہوگا؟ ــــــ اس کو بے شک ہم میں سے کسی نے بھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے کہ مرنے کے بعد مرنے والے کے ساتھ کیا ہوتا ہے؛ لیکن اللہ کے سب پیغمبروں نے اور سب کے آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری وضاحت اور تفصیل سے بتایا ہے کہ مرنے کے بعد ان منزلوں سے گزرنا ہے، سب سے پہلی منزل قبر اور برزخ کی ہے، اس کے بعد حشر کی منزل ہے، اس کے بعد حساب ہے، اس کے بعد جنت یا دوزخ ہے، پھر ان منزلوں میں جو کچھ سامنے آنے والا ہے وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت اور تفصیل سے بتایا ہے۔

قبر کے بارے میں آپ نے فرمایا: "اَلْقَبْرُ اِمَّا رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَاِمَّا حُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ" قبر یا تو جہنم کی آگ بھری خندقوں میں سے ایک خندق ہے (اللہ کی پناہ) اور یا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ اور ایک پھلواری ہے، یعنی قبر میں قبر والے کے لیے یا تو دوزخ والا عذاب ہے یا جنت کی بہاریں اور لذتیں ہیں۔ اسی طرح حشر اور پھر حساب اور جنت دوزخ کے بارے میں بھی آپ نے پوری تفصیل اور وضاحت سے بتایا ہے اور میرا آپ کا سب کا ایمان ہے کہ قبر کے بارے میں اور جنت دوزخ کے بارے میں جو کچھ حضورؐ نے بتایا ہے وہ بالکل حق ہے، ہماری آنکھوں دیکھی چیزیں اتنی یقینی نہیں ہیں، جتنی یقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی یہ باتیں ہیں۔ ہم قبر میں پہونچ کر وہ سب دیکھ لیں گے جو حضورؐ نے قبر کے بارہ میں بتایا ہے، میدان حشر میں وہ سب دیکھ لیں گے جو وہاں کے بارے میں آپ نے بتایا ہے۔ اسی طرح مقام حساب اور

جنت، دوزخ کے بارہ میں جو کچھ آپ نے بتایا ہے، وہ سب بھی وہاں پہونچ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

اس کے بعد میں آپ حضرات سے اور سب سے پہلے تو اپنے سے پوچھتا ہوں کہ مرنے کے بعد جو یہ سخت سے سخت منزلیں آنے والی ہیں اُن کے لیے ہم نے اور آپ نے کیا تیاری کی ہے؟ —— قرآن پاک میں ہمیں آپ کو اور تمام اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی اے لوگو! جو اللہ و رسول پر اور یوم آخرت پر ایمان لا چکے ہو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص سوچے اور دیکھے کہ مرنے کے بعد آنے والے دن کے لیے یعنی قیامت اور آخرت کے لیے اُس نے کیا تیاری کی ہے۔

دوسری جگہ قیامت کے منظر کا اور وہاں کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچ کر فرمایا گیا ہے
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ۝ یعنی اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، قیامت کا بھونچال بڑی عظیم چیز ہے، جب قیامت آئے گی تو حالت یہ ہوگی کہ دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی، حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، سارے آدمی بے ہوش ہو جائیں گے۔ کسی کو بھی اپنی خبر نہ ہوگی۔

ایک اور جگہ اسی قیامت کے دن کے بارہ میں فرمایا گیا ہے۔
یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ۝ یعنی وہ ایسا سخت اور نفسی نفسی کا

دن ہوگا کہ کوئی کسی سے کسی قسم کا کوئی سروکار نہ رکھنا چاہے گا ہر ایک کو بس اپنی اور صرف اپنی فکر ہوگی، بھائی بھائی کا ساتھ چھوڑ دے گا، اولاد ماں باپ سے دور بھاگے گی، جسے دنیا میں اپنے بیوی بچے بہت عزیز تھے، بہت پیارے تھے، ہر وقت اُن ہی کی فکروں میں ڈوبا رہتا تھا، وہ قیامت کے دن ان بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھاگ جائے گا، ان کی بالکل خبر نہ لے گا، ہر ایک کو بس اپنی ہی پڑی ہوگی " لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ "

جب اسی قیامت کے دن اللہ کے حضور میں پیشی ہوگی اور حساب کا وقت ہوگا تو ایک طرف تو سامنے اعمال نامہ کھلا ہوگا جس میں فرشتوں نے ہمارا ایک ایک عمل لکھا ہوگا " لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا۔ یعنی ہمارا کیا ہوا کوئی چھوٹا بڑا عمل ایسا نہ ہوگا جو اس اعمال نامہ میں لکھا ہوا سامنے موجود نہ ہوگا ——— ہم نے جو گناہ اپنے ماں باپ سے، اپنی رازدار بیوی سے اور اپنے دوستوں سے چھپ کر کیے ہوں گے وہ بھی اس اعمال نامہ میں موجود ہوں گے۔

اور اس سے بھی بڑی بات یہ ہوگی کہ ہمارے ہر عمل اور ہر گناہ کی گواہی ہمارے وہ اعضاء اور ہمارے وہ ہاتھ پاؤں دیں گے جن کے ذریعہ ہم نے وہ گناہ کیا ہوگا ——— اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ ——— یعنی قیامت میں حساب کے وقت منھ اور زبان پر مہر لگا دی جائے گی، کوئی مجرم منھ سے ایک لفظ نہیں بول سکے گا، بجائے زبان کے ہاتھ اور پاؤں بولیں گے اور بتائیں گے کہ اس بندے نے ہمارے ذریعہ فلاں فلاں کام کیے، ہاتھ کہے گا مجھے اس نے گناہ میں استعمال کیا تھا، پاؤں کہے گا میرے ذریعہ یہ فلاں گناہ کے لیے چلا تھا، اسی طرح ہمارا ایک ایک عضو خدا کے سامنے گواہی

دے گا۔

میرے بھائیو! میرا اور آپ کا قرآن پاک پر ایمان ہے، میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ قیامت میں اور حساب کے وقت بالکل یہی ہوگا جو ان آیتوں میں بیان فرمایا گیا ہے ـــــ خدا کے لیے ذرا تصور کیجئے اور دھیان کیجئے اُس وقت کا جب ہم آپ سب مقامِ حساب میں خدا کے حضور میں اور اُس کی عدالت میں کھڑے ہوں گے، ہمارا اعمالنامہ سامنے ہوگا، ہمارے ایک ایک عمل، ہمارے ہر عمل کے عینی شاہد فرشتے بھی حاضر اور موجود ہوں گے اور خود ہمارے ہاتھ پاؤں اور ہمارے سارے اعضاء گواہی دیں گے ـــــ اُس وقت میرا کیا حال ہوگا؟ آپ کا کیا حال ہوگا؟

میرے بھائیو! یہی ہمارا وہ مسئلہ ہے جو درحقیقت ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور ہم اُس سے غافل ہیں۔ ایسے غافل اور بے پروا ہیں کہ چھوٹے چھوٹے مسئلوں سے اتنے غافل اور بے پروا نہیں ہوتے۔ "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ (حساب کی گھڑی قریب ہے، بہت دور نہیں ہے، مگر لوگ غافل ہیں۔)

میرے بھائیو! میں نے ابھی کہا تھا کہ ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں کہ آج کی عید کس کس کی آخری عید ہے اور کس کس کے لیے طے ہو چکا ہے کہ ان کو اگلی عید کے آنے سے پہلے اس دُنیا سے اُٹھا لیا جائے گا، بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ مجھے اور آپ میں سے کسی کو یہ بھی خبر نہیں کہ آج کے بعد ایک مہینہ یا ایک ہفتہ بھی اس دُنیا میں رہیں گے بلکہ ہم میں سے کوئی بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ میں کل تک بھی ضرور رہوں گا ـــــ اس لیے آج عید کے دن میں سب سے پہلے خود اپنے نفس سے اور اس کے بعد آپ میں سے ہر ایک بھائی سے صرف یہی ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لیے اُس قبر کی تیاری کیجئے جس میں مجھے اور آپ کو یقیناً جانا ہے اور قیامت کے

تک سیکڑوں یا ہزاروں سال اسی میں رہنا ہے، اُس قیامت کے دن اور حشر کی تیاری کیجیے جس کی مدت قرآن مجید میں پچاس ہزار سال بتائی گئی ہے، اور جس میں خدا کے قہر و جلال کا ایسا ظہور ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام بھی لرزیں گے، کانپیں گے، اور نفسی نفسی پکاریں گے، اُس دوزخ سے بچنے کی تیاری کیجیے جس کے عذاب کا ایک لمحہ ہم میں سے کوئی برداشت نہیں کر سکتا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ دوزخ میں سب سے ہلکے درجہ کا عذاب یہ ہوگا کہ آدمی کے پاؤں کے تلوے کے نیچے دوزخ کا انگارہ رکھ دیا جائے گا، جس کی گرمی سے سر میں اُس کا بھیجا اس طرح پکے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی پکتی ہے ــــــ اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا! کیا یہ عذاب ایک منٹ کے لیے بھی میں برداشت کر سکتا ہوں؟ آپ برداشت کر سکتے ہیں؟ اللہ کی پناہ! ــــــ اللہ کی پناہ!!

اور جس طرح دوزخ کا عذاب وہ عذاب ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح جنت میں وہ بہاریں، وہ نعمتیں اور وہ لذتیں ہیں جن کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کے بارہ میں فرمایا ہے۔ "لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" یعنی جنت میں وہ نعمتیں اور راحت و لذت کے سامان ہیں جن کو اس دنیا میں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کا خیال و تصور ہی وہاں تک پہونچا ہے، ــــــ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْہِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْیُنُ" یعنی جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو کسی سلیم الفطرت آدمی کا جی چاہے اور جس کو دیکھ کے آنکھوں کو سرور اور ٹھنڈک حاصل ہو ــــــ ان مختصر لفظوں میں جنت کے بارہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اُس کی تشریح گھنٹوں تک کی جا سکتی ہے اور دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر میرا اور آپ کا قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ایمان ہے (اور مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہے) تو پھر ہماری سب سے بڑی فکر یہی ہونی چاہئے کہ ہم قبر کے عذاب سے، اور حشر کی ناقابل برداشت تکلیفوں سے اور دوزخ کی آگ سے کسی طرح بچا دیے جائیں اور ہر منزل میں ہمارے ساتھ رحمت و مغفرت کا معاملہ ہو اور آخر میں جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ معصوم تھے اور آپ کو نبوت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام بھی حاصل تھا، لیکن اس کے باوجود آپ کو بھی سب سے بڑی فکر یہی تھی، آپ کا ارشاد ہے اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْشَاکُمْ۔ یعنی میں اللہ کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں، اور اس لیے مجھے اس کا خوف اور ڈر بھی تم سب سے زیادہ ہے۔

بالکل اصولی بات ہے، جس کو اللہ کی جتنی زیادہ معرفت ہوگی، وہ اس سے اتنا ہی زیادہ ڈرے گا ——— "قربیا نزا بیش بود حیرانی"

اُمت میں معرفت اور یقین کے لحاظ سے سب سے اونچا مقام صدیق اکبرؓ کا تھا، اسی لیے وہ سب سے زیادہ رونے والے اور سب سے زیادہ آخرت کی فکر کرنے والے تھے، صحیح بخاری کی ایک روایت میں ان کے بارہ میں ہے "کَانَ رَجُلًا بَکَّاءً" یعنی وہ بہت رونے والے تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ بہت زیادہ رونے کی وجہ سے ان کی آنکھوں کی پتلیوں کی سیاہی پھیکی پڑ گئی تھی ——— اُن کے بعد اُمت میں سب سے اونچا مقام فاروق اعظمؓ کا ہے۔ اُن کا حال یہ تھا کہ آخری وقت میں جب حضرت صہیبؓ نے ان کو اطمینان دلانا چاہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے اتنے بڑے بڑے کام لیے ہیں، انشاء اللہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ آپ کے ساتھ بہت خاص الخاص ہوگا،

اور اللہ تعالیٰ بڑے بلند درجات عطا فرمائے گا، تو انھوں نے کہا میرے بھائی صہیب! اگر اللہ تعالیٰ بس میری خطائیں اور میرے قصور بخش دے اور میرے کسی عمل کا مجھے کوئی ثواب اور انعام نہ دیا جائے تو میں سمجھوں گا کہ میں کامیاب ہو گیا۔

میرے بھائیو! میں نے اُمت کے سب سے بڑے دو بزرگوں کا حال بیان کیا ہے، یہ وہ تھے جنھوں نے بار بار جنت کی بشارت سنی تھی، اس کے باوجود ان کے خوف اور آخرت کی فکر کا یہ حال تھا ــــــ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کم و بیش کے کچھ فرق کے ساتھ تمام صحابہ کرام کا یہی حال تھا ــــــ ہم اور آپ صحابہ کرام کے یہ حالات اور واقعات کتابوں میں پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے، حالانکہ تعجب اس پر ہونا چاہیے کہ قرآن و حدیث میں قبر، آخرت اور حساب اور دوزخ جنت کے بارہ میں جو کچھ بتایا گیا ہے اس کو صحیح ماننے اور اس پر ایمان لانے کے باوجود ہمارا بھی یہ حال کیوں نہیں ہے اور وہاں کی تیاری سے ہم اتنے بے فکر اور غافل کیوں ہیں ــــــ میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے دل ایمان سے بالکل خالی ہو گئے ہیں، لیکن ہماری حالت آج ان ہی لوگوں کی سی ہے جن کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نہ رہا ہو، ہم میں سے کتنے ہیں جنھیں صبح سے شام تک کبھی قبر یاد نہیں آتی، حساب کے لیے خدا کے سامنے پیش ہونا یاد نہیں آتا ــــــ دنیا کی فکروں اور تیاریوں سے وہ کسی وقت بھی خالی اور فارغ نہیں رہتے، لیکن آخرت کی طرف سے بالکل بے فکری کے ساتھ زندگیاں گزار رہے ہیں ــــــ میرے بھائیو! قیامت اور آخرت برحق ہے ــــــ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ خدا کی قسم آپ نے یہ باتیں صرف ڈرانے کے لیے نہیں کہی تھیں۔ آج اس دنیا میں ہم آپ آخرت کو نہیں دیکھ سکتے! اسی طرح نہیں دیکھ سکتے جس طرح کہ بچہ ماں کے پیٹ میں ہماری اس دنیا کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن جس طرح ماں کے پیٹ والی زندگی ختم کرنے کے

بعد بچہ یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیتا ہے، اسی طرح خدا کی قسم بالکل اسی طرح ہم اور آپ سب اس دنیا کی زندگی ختم کرنے کے بعد برزخ اور آخرت کی اس دنیا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے جس کا حال قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے

خدا کے لیے اپنے پر رحم کیجیے، اپنی آخرت کی فکر کیجیے، اُس وقت کی تیاری کیجیے جب خدا کے سامنے پیشی ہوگی، جب خود میرے اور آپ کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء ہمارے اعمال کی گواہی دیں گے، جب ہمارے اعمال کا پورا دفتر ہمارے سامنے ہوگا۔ "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔"

میرے بھائیو! آخرت کی تیاری اور فکر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ اس دُنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے بالکل دستبردار ہو جائیں، اور زاہدوں، درویشوں کی زندگی اختیار کر لیں ـــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شریعت اور وہ طریقہ لے کے آئے ہیں جس میں ایک آدمی جائز طریقوں سے دولت کما کے لکھ پتی اور کروڑ پتی بھی بن سکتا ہے۔ دُنیا کی ساری حلال نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، اور اس کے ساتھ جنتی بلکہ اللہ کا ولی بھی بن سکتا ہے ـــــ بس شرط یہی ہے کہ اللہ سے ڈرے، اور حرام سے بچے، اور اللہ کے حکموں کی پابندی کرے ـــــ یہ راستہ ہر غریب کے لیے کھلا ہوا ہے، ہر امیر کے لیے کھلا ہوا ہے، ہر پڑھے اور بے پڑھے کے لیے کھلا ہوا ہے، ہر جوان اور بوڑھے کے لیے کھلا ہوا ہے ـــــ کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی بغیر حرام کے نہیں گزر سکتی۔

اگر اب تک اس طرف سے غفلت رہی تو آج فیصلہ کر لیجیے کہ اللہ و رسول کی فرماں برداری کے ساتھ زندگی گزاریں گے، جہاں تک بن پڑے گا محرمات سے اور گناہوں سے

بچیں گے ــــ اگر آپ آج اور اسی وقت یہ فیصلہ کرلیں اور اب تک کی غفلت اور بے فکری کی وجہ سے جو غلطیاں ہوئیں، جو گناہ ہوئے، اُن پر دل میں نادم ہو کر سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی ہے کہ آپ بالکل بے گناہ ہو جائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بن جائیں گے، اور آپ کے لیے ابھی وقت مغفرت اور جنت کا فیصلہ ہو جائے گا، اور پھر یہ عید آپ کی بڑی ہی مبارک عید ہوگی۔

میرے بھائیو! میری عمر ۷۰ سال کی ہو چکی، میں بھی ایک گنہگار بندہ ہوں، میں بھی غفلت اور بے فکری کا مریض ہوں، قبر اور آخرت کے لیے اور حساب کے دن کے لیے جیسی تیاری ہونی چاہیئے تھی میں نے بھی نہیں کی ہے، تھوڑے بہت نمبروں کے فرق کے ساتھ آپ سب کا بھی یہی حال ہوگا ــــ آؤ ابھی وقت اللہ کے حضور میں اپنی اس غفلت اور بے فکری والی زندگی سے اور سارے گناہوں سے توبہ کریں، معافی مانگیں، اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کے رسول پاک کی تابعداری کا آج نئے سرے سے عہد کریں، یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ
نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ

(اس کے بعد اجتماعی توبہ و استغفار اور طویل دعا پر تقریر کا سلسلہ ختم ہوا)

خطبۂ عید

یہ تقریر ۱۳۷۴ھ (۱۹۵۵ء) کی عید الاضحیٰ کے دن عید کی نماز کیلئے جمع ہونے والے ایک بڑے مجمع کے سامنے نماز عید سے پہلے کی گئی تھی، حاضرین میں بڑی تعداد جدید تعلیم یافتہ حضرات کی تھی

○

الحمد للہ الذی ھدنا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدنا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلوٰت اللہ وسلامہ علیھم وعلیٰ کل من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ○

دینی بھائیو! آج عید کا دن ہے اور ہم آپ عید کی نماز پڑھنے ہی کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں، نماز شروع ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے، آپ میں سے میرے بعض بھائیوں نے مجھ سے کہا کہ اس تھوڑے سے وقت میں آپ سے کچھ دینی باتیں کروں، ایسے موقع پر میں کسی تکلف اور انکسار کا قائل نہیں، اس لئے میں نے اس فرمائش کو بے تکلف قبول کر لیا۔ اللہ تعالےٰ مفید اور صحیح باتیں کہلوائے اور مجھے اور آپ کو ان سے نفع پہونچائے۔

چونکہ آج عید کا دن ہے اس لئے شاید آپ کو یہ خیال ہو اور آپ اس کے امیدوار ہوں کہ میں آپ کے سامنے اس وقت عید یا قربانی کا فلسفہ یا اس کے فضائل بیان کروں گا یا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کا وہ مشہور واقعہ سناؤں گا جس کی یادگار آج کا دن ہے، بلا شبہ یہ سب بھی دین کی باتیں ہیں، لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس وقت اللہ تعالےٰ نے آپ سے کچھ باتیں کرنے کا جو یہ اچھا موقع مجھے عنایت فرمایا ہے میں اس وقت میں آپ سے دین کی وہ باتیں بیان کروں جو آپ کے لئے دین کی دوسری سب باتوں سے زیادہ ضروری ہیں، میں بے تکلف آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت اگر میں آپ کے سامنے عید یا قربانی کا فلسفہ بیان کروں یا اس کی تاریخ سناؤں تو میری

مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کے پاس ایک ایسا آدمی آئے جو بھوکا ہے اور اس کو پیٹ بھرنے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے، یا ننگا ہے اور اس کو تن ڈھکنے کے لئے کپڑے کی ضرورت ہے اور اس کو دینے کے لئے کھانا اور کپڑا اس کے پاس موجود بھی ہے، لیکن وہ بجائے کھانے اور کپڑے کے اس کے سامنے پان اور عطر پیش کرتا ہے ——— بہر حال میں اس وقت آپ سے دین کے سلسلہ کی بس وہ بات کرنا چاہتا ہوں جس کی اس وقت مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو دوسری باتوں سے زیادہ ضرورت ہے،

میرے بھائیو! مجھے اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب اسلام کو اللہ کا سچا دین سمجھتے ہیں، اور وہ ہمیں عزیز اور محبوب ہے۔ ہم اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں اور اسی پر خاتمہ کی تمنائیں رکھتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے جس کا اندازہ آپ میں سے بہت سوں کو ہوگا کہ ہماری بہت بڑی تعداد آج اس حال میں ہے کہ عملی زندگی میں یا تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یا اس کی زندگی میں اسلامیت سے زیادہ غیر اسلامیت ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم مسلمان کہلانے والوں کی ایک بڑی تعداد تو اسلام سے اتنی دور اور بے تعلق ہو گئی ہے کہ اسلامی احکام و مطالبات سے بے فکر اور بے پرواہ ہو کر زندگی گزارنے میں ان میں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں، اور کچھ کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنی عملی زندگی میں مسلمان کم ہیں اور نامسلمان زیادہ۔

شاید آپ میں سے بعض بھائیوں کا احساس یہ ہو کہ میں نے یہ بہت سخت بات کہہ دی لیکن آپ یقین فرمائیں کہ جو بات میں نے کہی ہے وہ بالکل سچی اور حقیقت کے مطابق ہے، اور آپ میں سے جو حضرات اسلام کو جانتے ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ

عام حالت سے بھی واقف ہیں، مجھے پورا یقین ہے ان میں سے ایک بھی میری اس بات سے اختلاف نہیں کرے گا ــــــ بہرحال میں نے جو یہ بات کہی ہے سوچ سمجھ کر کہی ہے، اور یقین اور بصیرت کی بنیاد پر کہی ہے،

اس کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ قرآن پاک جس پر ہمارا ایمان ہے کہ وہ اللہ کی مقدس کتاب ہے، اس میں صاف صاف اعلان کیا گیا ہے کہ جس قوم کی عمومی حالت یہ ہو جائے کہ وہ اللہ کے دین کو ماننے اور اس کی نازل کی ہوئی شریعت کو قبول کرنیکے بعد عملی زندگی میں اس کی نافرمان ہو جائے تو وہ قوم اللہ کی لعنت کے قابل ہو جاتی ہے، پھر دنیا میں اس لعنت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ ملی ہوئی نعمتیں اس سے چھینی جاتی ہیں، اس پر تباہیاں اور ذلتیں آتی ہیں، اس کے حالات بگڑتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہیں ہوتی،

میرے بھائیو! ہم اور آپ جن بگڑے ہوئے اور ناموافق حالات کا رونا دن رات روتے رہتے ہیں، آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں اس کا اصلی اور حقیقی سبب مسلمان قوم کی اکثریت کی یہی غیر اسلامی زندگی ہے جس کو قرآن مجید نے لعنتی زندگی بتلایا ہے ــــــ از ماست کہ برماست،

نادر شاہ نے جب دلی پر حملہ کر کے اس کو تاراج کیا اور دلی والوں پر تباہیوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے تو بعض لوگ اس وقت کے مشہور بزرگ اور عارف حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں ؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالےٰ سے دعا کریں کہ اس نادر شاہی عذاب سے ہم کو نجات ملے ــــــ مرزا صاحب نے فرمایا، میاں "شامتِ اعمالِ ماصورت نادر گرفت" ــــــ یعنی کہاں کا نادر شاہ اس بیچارہ میں کیا طاقت تھی کہ دلی میں یہ خون خرابہ کر سکتا، دراصل یہ ہماری بداعمالیوں کا عذاب ہے جو قادر و مختار کی طرف سے نادر شاہ کی شکل میں ہم پر مسلط کیا گیا ہے، اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے سامنے گرو اور اپنی بداعمالیوں سے سچی توبہ کر کے اس کی پناہ میں آؤ

——ایک حدیث قدسی کا مضمون بھی یہی ہے۔ الفاظ غالباً یہ ہیں—— انّما ھی اعمالکم احصیھا علیکم ثم اوفیھا الکم اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ابھی حال میں پچھلی صدی کے ایک مشہور چشتی سلسلہ کے بزرگ کا تذکرہ دیکھ رہا تھا اس میں پڑھا کہ ان بزرگ نے بیان کیا کہ ہندوستان کا فلاں شہر جو اس وقت مسلمانوں کے زیر حکومت تھا، ایک غیر مسلم طاقت نے اس پر چڑھائی کی اور محاصرہ کر لیا، اس زمانہ کے اہل اللہ میں سے کسی بزرگ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حضرت ہمارے فلاں شہر کا دشمن فوج نے محاصرہ کر لیا ہے، اور مسلمان سخت مصیبت میں ہیں —— آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت اللہ کو بھول گئی ہے، اور یہ سب اسی کے نتیجے ہیں،

بہرحال ہماری تباہی اور بربادی جس کی ہم شب و روز شکایت کرتے رہتے ہیں، ہمارے اسی جرم کی سزا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کو ماننے کے باوجود عملی زندگی میں ان سے باغی اور ان کے نافرمان ہو گئے ہیں[۱]، قرآن مجید میں جا بجا ہمیں سبق دینے ہی کیلئے بیان کیا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی یہ حالت ہو گئی تو ان پر خدا کی لعنت ہوئی اور وہ ذلیل

---

[۱] ممکن ہے یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ دنیا میں بہت سی قومیں ہیں جو دین و ایمان کے لحاظ سے مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ خراب حالت میں ہیں، اور صریح کفر و شرک میں گرفتار ہیں، اور اس کے باوجود دنیا میں ان کو عروج حاصل ہے اور وہ برابر ترقی کر رہی ہیں، اور قریب قریب ہر زمانہ کی تاریخ میں اسکی مثالیں ملتی ہیں، سو معلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن مجید سے اللہ تعالےٰ کا قانون یہ معلوم ہوتا ہے کہ کفر و شرک کی اصلی سزا اس دنیا میں نہیں دی جاتی بلکہ آخرت میں جائے گی (اس کمزور دنیا اور کمزور زندگی میں اس کی گنجائش ہی نہیں) البتہ اگر کوئی قوم ایمان کے بعد نافرمانی کی زندگی اختیار کرے اور فسق و فجور اس کی زندگی پر غالب آ جائے تو حکمت خداوندی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کو اسی دنیا میں سزا دی جائے —— یہ اس شبہ کا مختصر جواب اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ ۱۲

اور تباہیوں کا شکار ہوئے، اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھنے کی توفیق دے آج ہمارا بھی کچھ یہی حال ہے۔ اور خدا کی اس لعنت کا سلسلہ دنیا کی اس سزا پر ہی ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی بداعمالیوں کی سزا دنیا سے جانے کے بعد قبر میں اور اس کے بعد حشر میں بھی بھگتیں، اور ہم میں سے جن کا حساب اس پر بھی بیباق نہ ہو وہ خدانخواستہ جہنم میں بھی ڈالے جائیں۔ اللّٰھم احفظنا!! اللّٰھم احفظنا!! اللّٰھم اغفرلنا وارحمنا!!!

اس معاملہ کے ایک اور پہلو کی طرف بھی میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، ہم نے اللہ اور اس کے رسول اور ان کے احکام کے خلاف زندگی اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرنے کے علاوہ اُس اسلام پر بھی سخت ظلم کیا ہے جس کو ہم عزیز اور محبوب سمجھتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کو زبان دے اور اُس پر ظلم کرنے والوں کے خلاف استغاثہ اور فریاد کی اس کو اجازت ملے تو مجھے یقین ہے کہ اس کی زیادہ تر فریاد اور شکایت ہم مسلمانوں کے خلاف ہوگی جو اپنے طرز زندگی سے اس کو سب سے زیادہ نقصان پہونچا رہے ہیں، آپ حضرات جانتے اور سمجھتے ہوں گے کہ کسی دین و مذہب کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم ہونے میں اور اس سے محبت یا نفرت کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کے ماننے والوں کی اچھی یا بری حالت کا ہوتا ہے، اگر کسی مذہب کے ماننے والے عام طور سے نیک اور بھلے آدمی ہوں، خداترس اور راستباز ہوں، اللہ کی بندگی اور اس کے بندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ان کی زندگی میں نمایاں ہو تو قدرتی طور پر اس مذہب کے متعلق لوگوں کے خیالات اچھے ہوں گے اور دلوں میں اس کی وقعت اور محبت ہوگی اور قلوب اس کی طرف خود بخود کھنچیں گے۔ اور جس مذہب کے ماننے والے عام طور سے خدا سے بے تعلق اور بداخلاق و بدچلن ہوں گے اس مذہب کے متعلق لوگوں کے خیالات کبھی اچھے نہ ہونگے اور نہ اس کی طرف دلوں کا میلان ہوگا۔

آج دنیا کا میلان جو اسلام کی طرف نہیں، اور اسکی محبت اور وقعت سے قوموں

کے دل جو خالی ہو چکے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب ہماری یہ بگڑی ہوئی زندگی ہے، اگر ہماری قوم کی زندگی اسلام کا آئینہ ہوتی جس میں ہر دیکھنے والا اسلام کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکتا تو قومیں آپ سے آپ اسلام کی طرف کھنچتیں اور اسکو اپنانے پر مجبور ہوتیں اور "يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا" کا ظہور برابر ہوتا رہتا۔ لیکن اب بات بالکل الٹی ہے، ہماری موجودہ حالت اور موجودہ زندگی نے دنیا کی نظروں میں اسلام کو بے وقعت کر دیا ہے۔ اللہ کے پیدا کئے ہوئے انسان ہماری زندگیوں میں اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس میں ان کو کوئی خوبی نظر نہیں آتی اس لئے اس کی طرف بڑھنے کا ان کو خیال تک نہیں آتا، اور اس سے خالی رہنے میں انھیں اپنے اندر کوئی کمی اور کسر محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیں دیکھنے کے بعد سنجیدگی سے اسلام پر غور کرنے کا ان کے ذہنوں میں کبھی سوال بھی نہیں پیدا ہوتا گویا کفر پر اور اسلام سے محرومی پر ان کے مطمئن رہنے کا بڑا سبب ہم بنے ہوئے ہیں — خدارا آپ غور کریں کہ اسلام پر اور آدم علیہ السلام کی اولاد پر یہ ہمارا کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہم ہی ان کی راہ کے پتھر بن گئے ہیں۔

کبھی کبھی اس سلسلہ میں میری زبان پر ایک بات آجاتی ہے جس کے متعلق مجھے خود احساس ہے کہ وہ بہت کڑوی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل سچی حقیقت ہے اسلئے میں اسے کہہ دیتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ دنیا کو اسلام سے دور رکھنے کے لئے اسلام کے دشمنوں نے جو کوششیں اب تک کی ہیں، انھوں نے دنیا کو اسلام سے اتنا نہیں روکا جتنا کہ اسلام کا غلط نمونہ پیش کرنے والے ہم مسلمانوں نے روکا ہے، گویا ہمارا عمل اسلام کے خلاف ایک زندہ اور بولتا ہوا پوسٹر ہے جو ہر ایک کی نگاہ کے سامنے ہے۔ جو قوم اپنے عمل سے خدا کے دین کو اتنا نقصان پہنچا رہی ہو آپ خود ہی سوچئے کہ وہ کیوں کر اللہ کی خاص حمایت اور نصرت کی مستحق ہو سکتی ہے میں تو کہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ رکھی جا رہی ہے تو یہ بھی اللہ کا رحم و کرم ہے۔

مسئلہ کے ان سب پہلوؤں کے سامنے آجانے کے بعد ہمارے آپ کیلئے اب دو راستے ہیں ایک یہ کہ اس کے بعد بھی ہم اپنی زندگی کو درست کرنے کی اور اللہ سے بندگی کے تعلق کو صحیح کرنے کی کوئی فکر اور کوئی کوشش نہ کریں، اور جس ڈگر پر چل رہے ہیں آئندہ بھی بے فکری سے اسی پر چلتے رہیں! ـــــ مجھے امید ہے کہ آپ میں سے کسی کا بھی فیصلہ یہ نہ ہوگا ـــــ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ اب تک اللہ کی اطاعت و بندگی کے بارہ میں اور دین کے معاملہ میں جو کوتاہی اور غفلت ہوئی اس پر رنج اور صدمہ ہو، دل میں ندامت ہو، اور آئندہ کیلئے اپنی حالت کو درست کرنے اور اپنی زندگی کو بندگی والی زندگی بنانے کی فکر اور اس کا ارادہ اور فیصلہ ہو۔ مجھے اپنے ہر کلمہ گو بھائی سے امید کرنی چاہیے کہ وہ اپنے لئے اسی دوسرے راستے کو اختیار کرے گا۔

میرے بھائیو! آج عید کا دن ہے، خوشی کا دن ہے، قدرتی طور پر آج آپ کے دل کی یہ خواہش ہوگی کہ آپ کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت کی فضا رہے، آپ کے بچے خوش ہوں، آپ کی بیویاں خوش ہوں، آپ کے دوست احباب خوش ہوں، آپ کے محلہ میں، آپ کے شہر میں خوشی ہی خوشی ہو، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آج کے دن آپ اپنے خدا کو، اس کے سچے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو اور اسلام کی روح کو بھی خوش کرنے کا فیصلہ کیجئے! ـــــ اور اس کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ آج کے مبارک دن میں اور اس کی بھی اس مبارک گھڑی میں جبکہ آپ سب باوضو ہیں اور نماز پڑھنے کے لئے گھروں سے آئے ہوئے ہیں، اس وقت اپنی پچھلی غلطیوں اور غفلتوں کی اللہ سے معافی مانگئے اور آئندہ کے لئے اس کی فرمانبرداری کا اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنانے کا فیصلہ کیجئے ـــــ اس کو دین کی خاص زبان میں توبہ کہتے ہیں، اللہ تعالےٰ کا محکم وعدہ ہے کہ سچے دل سے توبہ کرنے والے بندوں کے پچھلے گناہ یکسر معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور وہ بالکل بے گناہ ہو جاتے ہیں۔ التائب من الذنب کمن

لاذنب لہ" اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "رجع کیوم ولدتہ امہ" یعنی سچی توبہ کے بعد بندہ گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوا تھا۔ یہاں میں ایک بات یہ بھی صراحت کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ میں کوئی بھائی ایسے ہوں جو کسی ایسی غلطی اور کسی ایسے گناہ میں مبتلا ہوں جس کو کسی وجہ سے وہ اس وقت بالکل چھوڑنے کا فیصلہ نہ کر سکتے ہوں تو وہ ایسا کریں کہ اس کے علاوہ باقی گناہوں سے سچی توبہ کر لیں۔ اور اس گناہ کے چھوڑ دینے کی اللہ سے توفیق اور ہمت مانگتے رہیں، انشاء اللہ ان کی یہ توبہ بھی قبول ہو گی ——— اور اللہ تعالےٰ کے فضل و رحمت میں ان کا بھی پورا حصہ ہو گا،

یہ تو اپنی اپنی انفرادی زندگی کو درست کرنے کا راستہ ہوا، اس کے بعد قومی اور اجتماعی اصلاح اور تبدیلی کے لئے ہمیں ایک دوسرا عہد یہاں یہ کرنا چاہیے کہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہم اس مقصد کے لئے اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی کوشش کریں گے۔

وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے میں اس وقت اس دوسرے کام کا کوئی خاص طریقہ آپ کو نہیں بتلا سکتا، صرف اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ کوشش اپنے اپنے حالات کے مطابق اور اپنے اپنے دائرہ میں آپ سب حضرات انفرادی طور پر بھی کر سکتے ہیں اور آپ میں سے بہت سوں کو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں میں اسلامی زندگی پیدا کرنے کا یہ کام اجتماعی طور پر ایک عوامی تحریک کی شکل میں بھی ہو رہا ہے، اور اس کا ایک خاص طریقہ اور پروگرام ہے، اور آپ کے بہت سے بھائی خود آپ کے اس شہر میں بھی اسی طریقہ پر کام کر رہے ہیں، یہ وہی کام ہے جو "تبلیغ" کے نام سے مشہور ہے، اس طریقہ کار کی یہ خصوصیت ہے کہ امیر، غریب، مولوی، مسٹر، تعلیم یافتہ شہری، دیہاتی، کسان، مزدور غرض ہر طبقہ کے مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اس میں

حصہ لے سکتے ہیں، اور دوسری خصوصیت اس طریق کار کی یہ ہے کہ بظاہر تو وہ
دوسروں کی اصلاح کی کوشش ہے لیکن درحقیقت وہ خود اپنی زندگی کی درستی کی
بہترین تدبیر ہے، بشرطیکہ اس کو صحیح اصول کی پابندی کے ساتھ کیا جائے۔۔۔
آپ سب حضرات کو میرا مخلصانہ اور برادرانہ مشورہ یہ ہے کہ اپنے حالات اور
اپنی گنجائشوں کے مطابق اس تبلیغی کام میں بھی آپ کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیں، اس
کوشش سے آپ دوسروں کو کچھ بدل سکیں یا نہ بدل سکیں لیکن خود آپ انشاء اللہ
ضرور بدل جائیں گے۔

میں نے جو بات اس وقت آپ حضرات سے کہی ہے اگر آپ نے اسکو قبول
کیا تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ آپ کی بندگی کا تعلق درست
ہو جائے گا اور انشاء اللہ آپ کی زندگی ایمان والی اور صحیح اسلامی زندگی بن جائیگی
جس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت میں فضل و رحمت کے محکم وعدے
ہیں ۔۔۔ اور اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہوا تو آپ کی اجتماعی جدوجہد کا اثر مسلمانوں
کی اجتماعی زندگی پر بھی پڑے گا اور انشاء اللہ تعالےٰ پھر مسلمانوں کی زندگی دنیا کو
اسلام سے دور کرنے والی اور اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کو کھینچنے والی نہیں
رہے گی، پھر اللہ تعالےٰ کی خاص رحمت اور نصرت سے انکی دینوی مشکلات بھی حل ہونگی
اور اللہ تعالےٰ کے ان انعامات سے وہ سرفراز ہوں گے جن کا وعدہ اس امت سے
ایمان اور عمل صالح کی شرط کے ساتھ کیا گیا تھا،

الحمدللہ میرا تو ان باتوں پر ایمان ہے اور اسلئے ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے
اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات
میں ان حقیقتوں کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔۔۔

لیکن جو حضرات اس عالم اسباب کے، قوانین سے اس کو سمجھنا چاہیں ان کے لئے میں عرض کرتا ہوں کہ آج دنیا کو زندگی کے ہر شعبے میں ایمانی زندگی رکھنے والے افراد کی ضرورت ہے، اور شاید ہر زمانے سے زیادہ ضرورت ہے، دنیا میں بے ایمانی اور اس کی وجہ سے بے اطمینانی اور پریشانی اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب دنیا اس سے تنگ آگئی ہے ایسے وقت میں اگر دنیا میں کوئی ایسی قوم نمودار ہو جائے جس نے ایمان کے راستے سے انسانیت کی تمام خوبیوں کو اپنے اندر جذب کر لیا ہو اور وہ خوبیاں آفتاب کی شعاعوں کی طرح اس سے ظاہر ہوں، تو دنیا خود اس قوم اور اس کے افراد کو اپنے دکھوں کی دوا سمجھ کر اپنے سر پر رکھ لے گی آپ سوچئے کہ اگر ایمان اور ایمانداری میں آپ ایسے ممتاز ہو جائیں کہ عام طور سے دنیا جاننے لگے کہ مسلمان دوکاندار خدا ترس ہوتا ہے، وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اور کبھی دھوکا نہیں دیتا تو کیا اس کا کاروبار ترقی نہیں کرے گا اور کیا بازار میں اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا کامیاب ہو سکے گا، اور کیا غیر مسلم بھی اس سے سودا خریدنے پر مجبور نہ ہوں گے ــــــ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر مسلمان دوکاندار سچے مسلمان بن جائیں تو گاؤں سے آنے والی بڑھیا بھی اپنی ضرورت کا سودا خریدنے کے لئے شہر میں آکر مسلمان کی دوکان کا پتہ پوچھا کرے گی ــــــ اسی طرح اگر عام طور سے تجربہ میں یہ بات آجائے کہ مسلمان مزدور ایمانداری میں اور محنت سے ڈیوٹی انجام دینے میں دوسرے سے ممتاز ہوتا ہے اور وہ پوری محنت اور دیانت سے کام کرنے کو اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہے تو کیا غیر مسلم کارخانہ دار بھی مسلمان مزدوروں کو دوسروں پر ترجیح نہ دے گا، اسی طرح اگر دنیا اس کا تجربہ کر لے کہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر مسلمان کبھی انصاف اور دیانت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا

وہ کبھی رشوت نہیں لیتا، وہ غیروں کے مقابلہ میں کبھی اپنوں کی بے جا رعایت نہیں کرتا اور اپنے کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھ کر پوری ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرتا ہے اور قیامت کے دن اپنی پیشی کو یاد رکھتے ہوئے اپنے اختیارات پوری خدا ترسی کے ساتھ استعمال کرتا ہے تو آپ ہی بتائیے کہ جمہوریت کے اس دور میں کوئی طاقت اور کوئی سازش مسلمانوں کو اقتدار سے الگ رکھ سکتی ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر مسلمان ہماری اس دنیا میں سچے مسلمان بن کر دکھا دیں تو دنیا اب اس مقام پر ہے کہ وہ اسلام کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

یہ تو میں نے ایک راستہ اور ایک طریقہ بتایا جو آج کل کے حالات میں بھی سمجھ میں آجانے والا ہے، ورنہ اصلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ جب کسی کام کے کرنے کا، کسی بلند کو پست یا کسی پست کو بلند کرنے کا ارادہ کرلے تو اکثر ایسے طریقوں سے کر دیتا ہے کہ کسی کو پہلے سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا، وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا ھُوْ۔

بس! آج عید کے دن آپ کے لئے یہی میرا پیام ہے، اگر آپ نے اس کو قبول فرمایا تو بلاشبہ آپ کی عید بڑی مبارک عید ہے، اور اپنی زندگی بدلنے کے لئے آپ کا فیصلہ آج کے دن آپ کی سب سے بڑی قربانی ہے ——— اصلی اور اہم قربانی یہی ہے کہ بندہ اللہ سے عہد کرے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ——— وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

میری طالب علمی

دارالعلوم دیوبند کے طلبہ سے ایک خطاب

دارالعلوم دیوبند کی ایک خدمت کے سلسلہ میں جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ کے آخری ہفتہ میں دو دن کیلئے دیوبند حاضری ہوئی تھی، ایک دن عصر کی نماز کے بعد دارالعلوم کی مسجد ہی میں طلبہ سے اس ناچیز نے خطاب کیا، بعد میں بعض حضرات نے اصرار اور تاکید سے فرمائش کی کہ اس کو قلمبند کرا کے شائع کر دیا جائے، چنانچہ حافظہ پر زور ڈال کے ممکن حد تک الفاظ کی بھی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو قلمبند کرایا گیا ہے، اللہ تعالےٰ ناظرین کیلئے نافع بنا دے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ ٥

میرے عزیز بھائیو! میں اس وقت آپ کو اپنی طالب علمی کے سلسلے کے کچھ واقعات اور تجربات سنانا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ آپ کے لئے کار آمد اور نفعمند ہوں گے، میری طالب علمی کی سرگذشت بعض پہلوؤں سے بڑی سبق آموز ہے،

آپ میں سے کچھ بھائیوں کو معلوم بھی ہوگا کہ میرا اصل وطن ہمارے اسی صوبہ یو پی کے ضلع مراد آباد کا مشہور اور قدیم قصبہ سنبھل ہے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالےٰ نے دنیوی دولت و ثروت اور وجاہت بھی دی تھی، اسی کیساتھ وہ اپنے خاص رنگ میں گہرے دیندار بلکہ بڑے ذاکر شاغل تھے، اور ایک زمانہ میں انھوں نے بہت سخت صوفیانہ ریاضتیں بھی کی تھیں، اس لئے وہ "صوفی جی" کے نام ہی سے معروف تھے، بہت سے لوگ ان کا اصل نام جانتے بھی نہیں تھے ــــ وہ عالم نہیں تھے، علماء حق سے ان کا تعلق کبھی نہیں رہا تھا، بلکہ کچھ ایسے غلط صوفیوں کی صحبت سے متاثر ہوئے تھے، جو غالباً تھے تو مخلص اور نیک نیت لیکن انکے بعض عقیدے بڑے گمراہانہ تھے، میرے والد صاحب کا بھی اس دور میں یہی حال تھا، مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، وہ اپنی عملی زندگی میں بڑے پکے دیندار، شریعت کے نہایت پابند، ذاکر، شاغل اور شب بیدار تھے، دنیا کا

کام بھی خوب کرتے تھے اور اس میں کبھی بہت کامیاب تھے، لیکن دین اور آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اسی لئے وہ اپنی اولاد کو صرف دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور پوری وسعت اور استطاعت کے باوجود اپنے کسی بچہ کو خالص دنیاوی تعلیم یعنی انگریزی تعلیم دلانے کے بالکل روادار نہیں تھے، اسی واسطے انھوں نے مجھے بھی ناظرہ قرآن شریف اور تھوڑی سی اردو تعلیم کے بعد فارسی اور پھر عربی پر لگا دیا، لیکن میں کچھ تو اس وجہ سے کہ میری عمر بہت کم تھی اور ابھی میں صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں ہوا تھا، (اور خاص کر میزان منشعب اور پنج گنج اور نحو میر جیسی کتابوں کے ذریعہ تو صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے قابل بالکل ہی نہیں تھا) اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ میرے اندر اس تعلیم کا کوئی شوق اور داعیہ نہیں تھا، میں نہایت بے دلی سے پڑھتا رہا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بس پٹائی کے ڈر سے جو کچھ پڑھایا جاتا تھا، وقتی طور پر یاد کر کے سنا دیا کرتا، سمجھتا کچھ نہیں تھا، مجھے یاد ہے کہ کئی سال تک میرا یہی حال رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال میری میزان نئے سرے سے شروع ہوتی تھی، ہمارے سنبھل میں اس وقت تین عربی مدرسے تھے، ہوتا یہ تھا کہ ایک سال تک میں ایک مدرسے میں پڑھتا رہتا، سال ختم ہونے تک میزان منشعب ختم ہو کر کبھی کبھی پنج گنج اور نحو میر بھی شروع ہو جاتی، لیکن والد ماجد اور گھر والے محسوس کرتے کہ میری پڑھائی ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے سال مجھے دوسرے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا —— وہاں کے استاد جب میرا یہ حال دیکھتے کہ مجھے کچھ بھی نہیں آیا ہے تو وہ پھر سے وہی میزان شروع کرا دیتے اور پھر میں سال بھر میں میزان منشعب ختم کر کے پنج گنج اور نحو میر تک یا کچھ اور آگے تک پہونچ جاتا، لیکن مجھے آتا کچھ نہیں تھا، اس لئے اگلے سال پھر میں تیسرے مدرسہ میں

بھیج دیا جاتا وہاں کے استاد بھی میری خیر خواہی میں یہی طے کرتے کہ مجھے پھر میزان سے پڑھایا جائے اور پھر میری میزان شروع ہو جاتی، مجھے یاد ہے کہ یہ چکر برسوں تک اسی طرح چلتا رہا اور ہر سال میری تعلیم بداں اَسعدکَ اللہُ فِی الدَّارَینِ" سے شروع ہوتی رہی،

اسی زمانہ میں جبکہ میرے غالباً دو تین سال اسی طرح برباد ہو چکے تھے اور میری عمر قریباً ۱۲ سال کی ہو چکی تھی، ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے ضلع مرادآباد کے اس وقت کے انگریز کلکٹر نے جو کسی خوش گمانی کی بنا پر میرے والد ماجدؒ کا بہت قدر شناس تھا ایک ملاقات میں والد صاحب سے ان کی اولاد کے بارے میں پوچھا، والد ماجد نے بتایا کہ خدا کے دیئے ہوئے میرے ۵ لڑکے ہیں اس نے تعلیم کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ کوئی اب انگریزی پڑھ رہا ہے ــــــ اس وقت میری عمر اور تعلیم کی منزل ایسی تھی کہ میرے ہی بارے میں اس طرح کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا، کلکٹر نے اصرار سے کہا کہ کل ہی اس بچہ کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی کہا کہ میں ہیڈ ماسٹر سے کہدوں گا کہ وہ پانچ سال میں انٹرنس کرا دے اور والد صاحب سے کہا کہ پھر میں اس کو نائب تحصیلداری دے دوں گا ــــــ اس زمانہ میں نائب تحصیلداری بڑی چیز تھی، پہلی ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا بس یہی ہندوستانیوں کی معراج تھی۔ اس سے آگے کلکٹر اور کمشنر تو صرف انگریز ہوتے تھے ــــــ تو کلکٹر نے والد صاحب کو بہت اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا۔ والد صاحب نے گھر آکر یہ قصہ سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ انھوں نے اس کی بات ماننے کا فیصلہ نہیں کیا

لیکن ان کے بعض ملنے والوں کی اور گھر کے بھی بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور مجھے اسکول میں ضرور داخل کردیا جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے والد صاحب کو اس کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی ـــــ لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، ان کا آخری جواب یہ تھا کہ" مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد سے مجھے کچھ لینے کی ضرورت نہ ہوگی، انشاء اللہ ہمیشہ ان کو کھلاتا اور دیتا رہوں گا، ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی، اس لئے میں تو ان کو وہی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا، جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے، الغرض انھوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔

مجھے یاد ہے کہ اس وقت والد صاحب کے اس فیصلہ کا مجھے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا جس کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ میں سوچتا تھا کہ اگر مجھے اسکول میں داخل کردیا گیا تو تھوڑے دنوں کے بعد میں نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر بن جاؤں گا، اور دوسری اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے کرکٹ کھیلنے کا بیحد شوق تھا، حالانکہ قریباً روزانہ پٹائی ہوتی تھی لیکن کھیل نہیں چھوٹتا تھا، مجھے امید تھی کہ اسکول میں داخلہ کے بعد مجھے اس کی بھی آزادی مل جائے گی ـــــ لیکن والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی فیصلہ سنادیا کہ وہ مجھے انگریزی پڑھنے کے لئے اسکول میں داخل نہیں کریں گے،

اس واقعہ کے بعد بھی غالباً کئی سال تک میرا وہی چکر چلتا رہا کہ پڑھنے کے ارادہ کے بغیر پڑھتا رہا، مدرسہ جاتا آتا رہا اور ہر سال مدرسہ کی تبدیلی ہوتی رہی اور نئے سرے سے میری میزان شروع ہوتی رہی،

پھر ۱۳۲۳ھ کی بات ہے جس کو اب باون ۵۲ سال گزر چکے ہیں، اس وقت

میری عمر پندرہ سال کی ہو چکی تھی، والد صاحب کو معلوم ہوا کہ فلاں مدرسہ میں ایک نئے پنجابی استاد آئے ہیں، اور وہ بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں، والد صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرمالیا، میں ایک حکیم صاحب کا تعارفی خط لے کر ان کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے (جواب مغربی پاکستان میں ہیں اور میرے خاص محسن استادوں میں ہیں) انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کب سے پڑھ رہا ہوں۔ میں نے بتایا کہ میں اتنے دنوں سے اس طرح پڑھ رہا ہوں۔ اب میں کچھ سمجھدار ہو چکا تھا، انھوں نے مجھ سے باتیں کیں تو اندازہ کیا کہ میں غبی اور کند ذہن بھی نہیں ہوں، اس سے انھوں نے سمجھ لیا کہ میرا اتنا وقت صرف اس لئے برباد ہوا اور ہو رہا ہے کہ میں نے خود پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ صرف جبراً پڑھ رہا ہوں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتادیا کہ واقعہ بالکل یہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، اور ان کے درجے بلند فرمائے، انھوں نے بڑی شفقت اور بے تکلفی سے فرمایا کہ بھئی اب تم خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کرو! اگر اب بھی تمہارا ارادہ پڑھنے کا نہ ہو تو ہمیں صاف بتادو، ہم خود تمہارے والد صاحب سے مل کر انھیں سمجھائیں گے کہ وہ تمہارا وقت برباد نہ کریں، کسی اور لائن میں لگائیں ـــــ اور اگر تمہارا ارادہ پڑھنے کا ہو تو پھر ہم تمہیں پڑھائیں گے اور انشاءاللہ تم بہت جلدی پڑھ لوگے اس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا، اور میں نے ان سے کہا کہ اچھا! انشاءاللہ اب میں پڑھوں گا، انھوں نے ـ مجھے اس طرح پڑھانا شروع کیا کہ میزان کے چند صفحات مقرر کر کے فرمایا کہ ان کو غور سے دیکھ لو اور ان کا مضمون یاد کرلو، جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھ لو، دوسرے اسباق سے فارغ ہو کر میں تمہاری جانچ کروں گا۔ اس طرح انھوں نے ۸۔۔۱۰ دن میں میری میزان منشعب ختم کرادی

اور میں نے اب سمجھا کہ میزان منشعب میں کیا ہے، پھر اسی طرح مہینے دو مہینے میں پنج گنج اور نحو میر ختم کرادی میں درمیان سال میں ان کے پاس گیا تھا، اور شعبان تک انھوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النحو تک پہونچا دیا، اب میں جی لگا کر اور اپنے ارادہ سے پڑھنے لگا، لیکن اس کے بعد مولانا مفتی محمد نعیم صاحب سنبھل تشریف نہیں لائے اور مجھے پڑھنے کے لئے سنبھل سے باہر بھیجدیا گیا، اس کے بعد چار سال میں میں نے تمام متوسطات پوری کرلیں، اس وقت ہمارے مدارس میں منطق وفلسفہ کا بہت زور تھا اس لئے میں نے سب سے زیادہ کتابیں منطق وفلسفہ کی پڑھیں، اور اب اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ کے فضل وکرم سے میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہتا تھا،

یہاں تک میں نے جن اساتذہ سے پڑھا تھا، وہ سب اسی دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ اور فیض یافتہ تھے، اس لئے میرا ذہن بالکل دیوبندی تھا اور آگے کی تعلیم میں دارالعلوم ہی میں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا،

میں نے اپنے والد صاحب کے بارے میں ابھی بتایا تھا کہ ان کے عقائد کچھ دوسری طرح کے تھے، ان کو ہمارے اکابر دیوبند سے بہت بُعد تھا، لیکن نہ معلوم کس طرح ان کے دل میں یہ بات اللہ نے بٹھادی تھی کہ حدیث دیوبند والے ہی اچھی پڑھاتے ہیں، اسلئے جب میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ میں اب حدیث شریف پڑھنے کیلئے دارالعلوم دیوبند جانا چاہتا ہوں تو انھوں نے مجھے اجازت دیدی —

جب یہ بات عام طور سے مشہور ہوگئی کہ میں پڑھنے کیلئے دیوبند جاؤنگا تو والد صاحب کے گیارہویں شریف، بارہویں شریف اور عرسوں کی محفلوں والے یاران طریقت نے ان سے کہا کہ صوفی جی کیا غضب ہے! سنا ہے آپ کا لڑکا دیوبند پڑھنے جائیگا؟ تو وہ صرف یہ فرمادیتے کہ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ہی راستہ پر رہے گا، الغرض انھوں نے اپنی برائے نہیں بہری اور میں

شوال ۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم آکر داخل ہوگیا، میں یہاں صرف دو سال باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے رہا۔ پہلے سال مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اخیرین وغیرہ چند کتابیں پڑھیں اور اگلے سال دورہ!

میں یہاں کے زمانۂ قیام کا اس وقت کا صرف ایک واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے ـــــ یہ مکان جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا اور اب حضرتؒ کے گھر کے لوگوں کا قیام ہے، ہمارے زمانۂ طالب علمی میں اس میں مطبع قاسمی اور کتب خانۂ قاسمی تھا، جن بیچارے طالب علموں کو مدرسہ میں حجرہ نہیں مل سکتا تھا، ان کو اس کے ایک خستہ سے کمرے میں رہنے کی اجازت دیدی جاتی تھی، میں انہی بیچارے کسمپرس طالب علموں میں سے ایک تھا، دونوں سال میرا قیام اسی میں رہا، پہلے سال ربیع الاول کا مہینہ تھا اور خوب یاد ہے چودھویں تاریخ تھی، اور اتفاق سے جمعہ کا دن تھا عشاء کی جماعت کا وقت قریب تھا، میں اسی مطبع قاسمی میں بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ اچانک والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ مطبع قاسمی کا پتہ پوچھتے ہوئے تشریف لے آئے، پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی بلکہ وہم وگمان بھی نہ تھا، لیکن میرا ذہن منتقل ہوا کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ ہے، ان ہی تاریخوں میں پیران کلیر کا عرس ہوتا ہے، یہ وہاں عرس میں تشریف لائے ہونگے، انکی پیران کلیر کے عرس میں حاضری کبھی قضا نہیں ہوتی تھی، چنانچہ دریافت کرنے پر یہی بتایا کہ میں کلیر شریف عرس میں آیا ہوا تھا خیال ہوا کہ دیوبند قریب ہی ہے اس لئے وہاں سے فارغ ہو کر آگیا ہوں، میں نے عرض کیا کہ عشاء کی جماعت کا وقت ہو چکا ہے، وہ باوضو تھے ہم لوگوں کے ساتھ فوراً ہی مسجد تشریف لے آئے ـــــ اس زمانہ میں حوض وہاں تھا جہاں اس وقت مسجد کے فرش کا آخری حصہ ہے، اور چونکہ مسجد میں تنگی ہوتی تھی اس لئے حوض کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ دیا گیا تھا، اس پر بھی کئی صفیں ہوتی تھیں، ہم لوگ ایسے وقت مسجد میں داخل ہوئے کہ

نماز شروع ہو چکی تھی، ہمیں آخری صفوں میں حوض پر جگہ ملی، چودھویں رات کی چاندنی کھلی ہوئی تھی اور جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے عام طور سے تمام طلبہ صاف سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے، جب رکوع یا سجدہ کا وقت ہوتا تو ہم لوگوں کو جو حوض کے اوپر بلندی پر کھڑے تھے ایسا معلوم ہوتا جیسے آسمان سے اترے ہوئے فرشتوں کی صفیں ہیں، مجھے خوب یاد ہے بڑا ہی نورانی منظر تھا، میں والد صاحب کے بالکل برابر میں کھڑا تھا، میں نے محسوس کیا کہ والد صاحب پر اس منظر کا کچھ خاص اثر پڑ رہا ہے، نماز سے فارغ ہو کر ہم لوگ اپنی قیام گاہ یعنی مطبع قاسمی میں آگئے۔ والد صاحب کی باتوں سے میرے اس احساس کی تصدیق ہو گئی کہ وہ دارالعلوم کی نماز کے اس منظر سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

صبح کو فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کا اسی مسجد میں قرآن مجید کا درس ہوتا تھا، وہ اگرچہ دارالعلوم کے بڑے اساتذہ میں سے نہیں تھے، عمر بھی کم تھی، لیکن اپنی صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے اور طلبہ میں مقبول اور محبوب تھے، اس زمانہ میں ترجمۂ قرآن دارالعلوم کے نصاب میں داخل نہیں تھا، مولانا کا یہ درس گویا پرائیوٹ اور ان کے ذاتی ذوق شوق کا نتیجہ تھا، بڑی وسیع نظر تھی اور خوب بولتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ درس قرآن کا حق ادا فرماتے تھے۔ طلبہ کی بہت بڑی تعداد پابندی سے شرکت کرتی تھی بڑا علمی نفع ہوتا تھا، میں نے موقع نکال کر مولانا کے کان میں اس دن عرض کر دیا کہ میرے والد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، وہ عرس اور قوالی کے دلدادگان میں سے ہیں، انکے عقائد و خیالات اس طرح کے ہیں، ہمارے بزرگوں کے بارے میں انھیں سخت بدگمانیاں ہیں اور ناواقفی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان دیوبند والوں کو تصوف اور بزرگانِ دین سے کوئی تعلق نہیں، میرا مقصد یہ تھا کہ آج کے درس میں اسکا لحاظ فرما لیا جائے۔ حسن اتفاق سے اس دن سورۂ یوسف کا وہ مقام زیر درس تھا جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے (غلہ وغیرہ

لانے کیلئے) جب اپنے صاحبزادوں کو مصر کیلئے رخصت کیا اور چھوٹے صاحبزادے حضرت یوسفؑ
کے حقیقی بھائی بن یامین کو بھی انکے ساتھ جانے کی اجازت دیدی تو اس وقت یہ ہدایت بھی فرمائی کہ
تم سب مصر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا (یَا بَنِیَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا
مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ) جس کا مقصد اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر نہ
لگے تو آخر میں یہ بھی فرمایا تھا" وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ٥ — مولانا کاندھلوی نے ان آیات پر
تقریر کرتے ہوئے توکل کی حقیقت اور توکل اور اسباب کے تعلق پر بھی خوب روشنی ڈالی، اور
اس دن عارف رومی کے اشعار بھی اس سلسلے میں سنائے — اسکے علاوہ بھی کئی مضامین
تصوف و معرفت ہی سے متعلق مولانا نے اس دن کے درس میں ایسے بیان فرمائے جو والد ماجد
رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی حسب حال تھے، اس درس سے بھی والد صاحب بہت متاثر ہوئے —
رات کی نماز میں انھوں نے جو منظر دیکھا تھا اور جو نورانی کیفیات اس مجمع میں انھوں نے محسوس کیں اور
پھر صبح کے درس میں جو کچھ سنا اس سے انکا ذہن ہمارے اکابر اور ہماری جماعت کے بارے میں بہت کچھ بدل گیا

درس سے فارغ ہو کر جب ہم لوگ اٹھے تو والد صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں کے
مزارات پر جانا چاہتا ہوں، ہم لوگ ان کو قبرستان لے گئے، وہ پہلے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ
کے مزار پر مراقب ہو کر بیٹھے اور دیر تک بیٹھے رہے، اسکے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر
مراقب ہو کر بیٹھے اور بہت دیر تک بیٹھے اور انکے چہرے کے رنگ سے ہم محسوس کرتے رہے کہ ان پر کوئی
خاص اثر پڑ رہا ہے، وہاں سے واپسی پر فرمایا کہ "ان حضرات کا مقام بہت ہی بلند ہے"۔
اسکے بعد ہم لوگوں سے فرمایا کہ یہاں کے استادوں میں جو اللہ والے ہوں مجھے انکے پاس لے چلو،
ہم سب سے پہلے حضرت میاں صاحب یعنی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں
پہونچے، حضرت میاں صاحب کی زیارت و ملاقات سے بھی والد صاحب بہت متاثر ہوئے، اسکے بعد حضرت
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی، ان حضرات

کی زیارت سے بھی بہت متاثر ہوئے اور انکے بارے میں فرمایا کہ یہ ہر وقت ذکر میں مشغول اور صاحبِ نسبت ہیں۔ الغرض ہمارے اکابر اور ہماری جماعت کے بارہ میں انکو جو بدگمانیاں ہمیشہ سے تھیں وہ غالباً اسی دن ختم ہو گئیں، اور اسکے بعد تو ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہوا۔ لیکن اس وقت میرا مقصد اپنی طالب علمی کے کچھ واقعات سنانا ہے اپنے والد صاحب کی سوانح عمری بیان کرنا مقصود نہیں ہے، مگر جب ان کا ذکر آگیا ہے تو ان کی ایک بات اور سنا دینا مناسب سمجھتا ہوں، انشاء اللہ آپ بھائیوں کو اس سے بھی نفع ہوگا،

غالباً ۵۴ھ میں یعنی اب سے ۳۵۔۳۶ سال پہلے میرے والد صاحب کو حج نصیب ہوا، واپسی پر مجھ سے تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرے لئے کوئی چیز نہیں لایا، میں نے ایک دعا تیرے واسطے کی ہے اور وہ یہ کہ تیرے پاس کبھی دولت نہ ہو اور تجھے کبھی تنگی اور تکلیف نہ ہو، اور مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ یہ قبول ہو گی، اس بات کو ۳۵۔۳۶ سال ہو گئے، میں آپکے سامنے اس بات کا اظہار بہتر سمجھتا ہوں کہ اب تک اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ بالکل یہی ہے میرے پاس دولت کبھی نہیں ہوئی اور الحمد للہ زندگی کی ان تکلیفوں سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا جو افلاس اور تنگی کی وجہ سے اللہ کے بندوں کو ہوتی ہیں، مالک کے فضل و کرم سے میری زندگی بڑی راحت اور عافیت کے ساتھ گزرتی ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر بالفرض میں ڈپٹی کلکٹر ہوتا اور میری تنخواہ ہزار یا اس سے بھی اوپر ہوتی تو زندگی کی وہ راحتیں مجھے نصیب نہ ہوتیں، جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے نصیب ہیں،

میرے عزیز بھائیو! خدا گواہ ہے کہ میرے پاس کوئی ہنر اور کمال نہیں ہے، بس وہی ہے جو اسی دار العلوم سے اور یہاں کے اپنے اساتذہ سے نصیب ہوا ہے،

میں نے ابھی ذکر کیا تھا کہ جب میری عربی تعلیم شروع ہوئی تو میرے اندر اس کا کوئی داعیہ اور شوق نہیں تھا، اور بعد میں جب ارادہ کے ساتھ اور جی لگا کر پڑھنا شروع کیا، واقعہ یہ ہے کہ اس وقت بھی خدا طلبی اور آخرت کی کامیابی کا واضح تصور مجھے نصیب نہیں تھا،

لیکن الحمد للہ جب دار العلوم میں حاضری ہوئی تو یہ نعمت بھی کسی درجہ میں یہاں کی برکت سے نصیب ہو گئی تھی، مگر جیسا کہ میں نے بتایا تھا میرے والد ماجد نے مجھے صرف اسی نیت سے دینی تعلیم کے راستہ پر لگایا تھا کہ ان کو قبر میں اور اسکے بعد کی آخرت کی منزلوں میں، اس سے فائدہ پہونچے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل کو ضرور قبول فرمائیگا، یہ انکی ایک قربانی تھی اور انھوں نے گویا مجھے اللہ کی نذر کیا تھا اور دین کے لئے وقف کیا تھا،

میں یاد کرتا ہوں ایک دن وہ تھا جب والد صاحب نے کلکٹر کے کہنے کے باوجود مجھے انگریزی پڑھانے سے انکار کر دیا تھا اور مجھے اپنی نادانی سے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ میرا مستقبل تاریک ہو گیا، اور اب میرا حال یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی دن میرے لئے سب سے زیادہ مبارک دن تھا جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ وہ اپنی آخرت بنانے کیلئے مجھے صرف دینی تعلیم دلائیں گے[1] —— مجھے جب قرآن شریف کی تلاوت نصیب ہوتی ہے اور جب حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں اور کچھ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیا ارشاد فرما رہے ہیں اور رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیا ہدایت فرمائی، تو میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے جو کسی بندہ کو حاصل ہو سکتی ہے، اور زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اسکے برابر قیمتی نہیں، اور والد ماجدؒ کے اس فیصلہ کے صدقہ میں یہ مجھے نصیب ہوئی ہے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ

---

[1] میں اللہ کے ایسے بہت سے بندوں سے واقف ہوں جنھوں نے صرف انگریزی تعلیم حاصل کی اور ایک دن بھی ہمارے کسی دار العلوم میں طالب علم بن کے نہیں رہے لیکن ان پر کسی اور راستہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور انکی دینی حالت خود میرے لئے باعث رشک ہے اور میں ان کو اللہ کے مقبول بندوں میں سے سمجھتا ہوں، لیکن اپنے بارہ میں میرا اندازہ یہی ہے کہ اگر مجھے انگریزی تعلیم دلائی جاتی تو شاید میرا تعلق دین سے اور اللہ و رسول سے برائے نام ہی ہوتا۔

میرے والد ماجد نے سب سے بڑا احسان مجھ پر یہی فرمایا، انھوں نے میرے لئے مکان بھی چھوڑا جو آج بڑی قیمت کا ہے اور اسکے علاوہ خاصی جائداد بھی چھوڑی جس میں سے بہت کچھ فروخت کر چکا ہوں اور اب بھی کچھ باقی ہے، لیکن اس سب سے بڑا احسان ان کا مجھ پر یہی ہے کہ انھوں نے مجھے وہ دینی تعلیم دلائی جو در اصل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قیمتی میراث ہے ـــــ اللہ تعالے انکے اس عمل اور اس احسان کا صلہ قبر میں اور آخرت میں انکو اپنی شان عالی کے مطابق عطا فرمائے،

میرے عزیز بھائیو! آپ میں سے بہت سے وہ ہونگے جنکے والدین نے میرے والد کی طرح اپنی اور انکی آخرت بنانے کیلئے سوچ سمجھ کے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا ہوگا لیکن خود انکا ذہن اس بارہ میں صاف نہ ہوگا جیسا کہ ایک عرصہ تک خود میرا حال تھا ـــــ اور کچھ آپ میں وہ ہونگے جنھوں نے خاندانی رواج کے طور پر یا حالات کے تقاضے سے یا دنیوی تعلیم حاصل نہ کر سکنے کی مجبوری سے دینی تعلیم کا یہ راستہ اختیار کر لیا ہوگا، لیکن میں آپ کا مخلص بھائی ہوں، آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس علم دین کی قدر و قیمت کو اور اپنے مقام اور اپنی حقیقت کو سمجھئے ـــــ آپ جو چیز حاصل کرنے کیلئے یہاں آئے ہیں وہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اور خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے۔ اگر اللہ تعالے اخلاص نصیب فرمائے اور نیت اور عمل صحیح ہو تو آپ سے اور ہم سے بڑا دولتمند اور خوش نصیب کوئی نہیں، آپ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن کے علمبردار اور حضور کے سپاہی اور لشکری ہیں ـــــ اگر آپ اس حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لیں تو پھر آپ کو کسی دنیوی اعزاز اور عہدہ کی طمع نہ ہوگی اور اہل دنیا اور دولتمندوں کی شاندار کوٹھیاں اور موٹریں دیکھ کے آپ کو کوٹھی اور موٹر نہ ہونے کی حسرت نہ ہوگی، پھر آپ کا احساس اور اذعان یہ ہوگا کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت بلکہ ایک ایک آیت اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جسکا آپ کو علم ہے وہ ان کوٹھیوں اور موٹروں سے ہزاروں درجہ زیادہ قیمتی ہے ـــــ ہمیں اپنے قصوروں، اور کوتاہیوں اور گناہوں کے لحاظ سے تو اپنے کو

سب سے کمتر سمجھنا چاہیئے، لیکن علم نبوی اور وراثۂ نبوی کی نسبت سے برتر اور بالاتر سمجھنا چاہیئے اور اس نعمت پر خدا کا بیحد شکر ادا کرنا چاہیئے،

بخدا میں کچھ نہیں ہوں، نہایت گنہگار بندہ ہوں، لیکن اللہ تعالےٰ نے یہ چیز محض اپنے فضل سے کسی درجہ میں نصیب فرما دی ہے کہ جو تھوڑا سا علم اس دار العلوم کے صدقہ میں اور اس کے فیض یافتہ اپنے استادوں کے صدقہ میں حاصل ہو گیا ہے اسکو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت سمجھتا ہوں،

میرے بھائیو! یہی ہمارے بزرگوں کا خاص ترکہ اور ورثہ ہے، اللہ تعالےٰ آپ سب کو نصیب فرمائے اور مجھ سے زیادہ نصیب فرمائے! ـــــ اس کیلئے میں آپکو تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں۔

اوّل یہ کہ اپنے مقام اور مقصد کو سمجھیئے اور اگر اب تک نیت اور مقصد کے بارہ میں ذہن صاف نہیں تھا تو اب اپنے دل کے رُخ کو صحیح کر لیجیئے، تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے سوچا کیجیئے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں، اور آپ کون ہیں اور جو علم آپ حاصل کر رہے ہیں وہ کتنی عظیم دولت اور نعمت ہے ـــــ یہ آپ کیلئے بہترین مراقبہ ہے

دوسری بات یہ کہ دل لگا کر اور پوری توجہ سے پڑھیئے، یہ علم دین کی قدر اور عظمت کا حق ہے اسکے بغیر کسی کو نہ کچھ آیا ہے نہ آئے گا، نہ ملا ہے نہ ملے گا،

تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ جو علم آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اپنی زندگی اور اپنا عمل بھی اسکے مطابق بنائیے، تقویٰ اختیار کیجیئے، تقوے کے ساتھ علم نور ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا میراث نبوت ہے اور تقوے کے بغیر علم ظلمت ہے اور سراسر وبال ہے،

میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالےٰ نے علم کی اور دین کی جو دولت ہمارے اکابر حضرت نانوتوی حضرت گنگوہی حضرت شیخ الہند، حضرت تھانوی حضرت کشمیری اور حضرت مولانا مدنی

کو عطا فرمائی تھی وہ اسکے خزانہ میں اب بھی بھرپور موجود ہے، یہ دارالعلوم اس کا دروازہ ہے، اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس دروازہ تک پہونچا دیا ہے، اگر آپ اخلاص نیت، اور محنت اور تقوے کی شرطوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو میں اللہ تعالےٰ کی کریمی پر یقین کر کے قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو آپکی استعداد اور استحقاق کے مطابق اللہ تعالےٰ وہی دولت ضرور عطا فرمائے گا۔ اور قبر اور آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی آپ کو اس کا ذائقہ حاصل ہوگا۔

وَاٰخرُ دعوانا اَنِ الحمد للہ رب العالمین۔
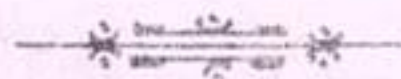
دینی مدارس کے طلبہ سے

آپ کون ہیں، کیا ہیں اور آپ کی منزل کیا ہے؟

یہ تقریر راندیر (گجرات) کی مشہور اور مرکزی مسجد جامع مسجد میں مارچ سنہ ۷۲ء میں کی گئی، اجتماع میں جامعہ حسینیہ اور دار العلوم اشرفیہ کے طلبہ اور اساتذہ شریک تھے، اب یہ تقریر جو ٹیپ سے نقل کی گئی ہے، مولانا کی نظر ثانی کے بعد شائع کی جا رہی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی!

میرے عزیز بھائیو! جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہو گا میں اس وقت اسی لیے اور اسی نیت سے آیا ہوں کہ آپ عزیز بھائیوں سے جو یہاں کے ہمارے مدرسوں میں پڑھتے ہیں، کچھ باتیں کروں ـــــ میرے اصل مخاطب اس وقت آپ ہی حضرات ہیں، یعنی ہمارے عزیز طلبہ. میں آپ کی برادری کا ایک آدمی ہوں، میں طالب علم تھا، طالب علم ہوں اور انشاء اللہ طالب علمی کی حالت ہی میں مروں گا

ادھر کچھ عرصہ سے میرے دل میں اس کا بڑا داعیہ ہے کہ اپنے دینی مدارس کے عزیز طلبہ کے پاس پہونچ کر اُن سے اپنے دل کی کچھ باتیں کہوں ـــــ میرے بھائیو! علماء اس اُمت کا قلب ہیں، حدیث پاک میں جس طرح فرمایا گیا ہے، قلب کا حال یہ ہے "اذا صلح صلح الجسد کلہ واذا فسد فسد الجسد کلہ (یعنی اگر قلب ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہو گا اور اگر قلب ٹھیک نہیں تو جسم کی بھی خیریت نہیں) تو علماء اس اُمت کا قلب ہیں، تو اگر ہم لوگ جو علماء کہے جاتے ہیں، اگر ہم میں فساد ہے تو اُمت میں اس سے ہزار گنا فساد ہو گا اور اگر ہم میں صلاح ہے تو پھر انشاء اللہ اُمت میں بھی صلاح ہو گا اور وہ فساد سے محفوظ رہے گی.

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ آپ سب کی عمروں میں برکت دے۔ انشاء اللہ آپ آنے والے زمانے کے علماء ہوں گے ۔۔۔ میں نے ابھی کہا تھا کہ میں آپ ہی کی برادری کا اور آپ ہی کی دنیا کا ایک آدمی ہوں یعنی طالب علم ہوں، لیکن میری عمر زیادہ ہے۔ ستر کے قریب پہنچ چکی ہے اور میں بہت سے اُن تجربوں سے گزرا ہوں جن سے آپ کو گزرنا ہوگا' اس لیے میری باتیں انشاء اللہ آپ کے لیے کارآمد ہوں گی۔

میں اس وقت اپنے مدارس ہی کے دورے کے لیے نکلا ہوا ہوں۔ اس دورہ کے لیے مجھے کسی نے دعوت نہیں دی تھی بلکہ میں اپنے دل کے داعیہ اور تقاضے سے یہ دورہ کر رہا ہوں میں جو باتیں اس وقت آپ سے کہنا چاہتا ہوں یوں سمجھیے کہ میں وہ باتیں کہنے ہی کے لیے دور دراز کا سفر کر کے آپ کے پاس یہاں آیا ہوں ۔۔۔ اس لیے میرا حق ہے کہ آپ میری باتوں کو توجہ سے سنیں!

میری سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنے کو پہچانیں! اس پر غور کریں کہ آپ کیا ہیں؟ آپ کا منصب اور مقام کیا ہے؟ آپ کی منزل مقصود کیا ہے جس کی طرف آپ جا رہے ہیں؟

میرا خیال ہے کہ آپ میں سے بہت کم بھائی ایسے ہوں گے جنھوں نے اس مسئلہ پر کبھی اس طرح غور کیا ہوگا جس طرح غور کرنا چاہیے ۔۔۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی عظمت سے باخبر نہیں ہیں اور اپنے مقام اور اپنی ذمہ داریوں کا اُن کو احساس نہیں ہے مجھے یاد ہے کہ خود میرا بھی کبھی یہی حال تھا اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ عام طور سے ہمارے بھائیوں کا یہی حال ہوتا ہے اور یہ بڑے خسارے کی بات ہے۔

الحمدللہ آپ حضرات اگرچہ مختلف درجوں کے طالب علم ہیں لیکن سب ہی ذی علم اور صاحب فہم ہیں۔ آپ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے اس طرح غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات جو پیدا فرمائی ہے جو ہمارے سامنے ہے زمین، آسمان اور ساری مخلوقات۔ ان

سب میں غور کرنے سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ ان تمام مخلوقات میں اصل مقصود بالتخلیق انسان ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ نظر آتا ہے سب اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

آپ اس کو یوں اور زیادہ آسانی سے سمجھ سکیں گے کہ یہ مسجد ہے جس میں اس وقت ہم آپ بیٹھے ہیں، اس میں بہت سی چیزیں ہیں، یہ منبر ہے جس پر بیٹھ کے میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں، یہ جانمازیں بچھی ہوئی ہیں جن پر آپ حضرات بیٹھے ہیں اور ان پر نماز پڑھی جاتی ہے، اس میں یہ گھڑی لگی ہوئی ہے جو وقت بتاتی ہے، ساتھ میں وضو اور استنجے کے سارے انتظامات ہیں ــــ اب آپ غور کریں کہ یہ ساری چیزیں کس لیے اور کس کے لیے ہیں تو یہی سمجھ میں آئے گا کہ سب نمازیوں کے لیے ہے اور خود نمازی ان میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں ہیں ــــ اسی طرح زمین و آسمان کی ساری چیزوں پر نظر ڈال کے دیکھ لیجئے صاف نظر آئے گا کہ جو کچھ ہے سب انسانوں کے لیے ہے اور انسان ان میں سے کسی چیز کے لیے بھی نہیں ہے۔ قرآن میں بھی فرمایا گیا ہے "خلق لکم ما فی الارض جمیعاً" (زمین میں جو کچھ ہے، پیدا کرنے والے نے تم انسانوں ہی کے لیے پیدا کیا ہے)

تو اس کائنات میں غور کرنے سے یہ بات پوری طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس سارے عالم اور ساری کائنات میں اصل انسان ہے اور اس کے علاوہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے ــــ پھر انسان کاہے کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ خدا نے اس کو عبث اور بے مقصد صرف اس کا تماشا دیکھنے کے لیے پیدا کیا ہو۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ انسان اس لیے پیدا کیا گیا ہے اور اُس کو عقل و شعور اور ارادہ و اختیار کی نعمتیں اس لیے دی گئی ہیں کہ وہ اپنے خالق کو جانے پہچانے، اُس کی مرضی اور اُس کی ہدایات کی فرمانبرداری کے ساتھ زندگی گزار کے اُس کے اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات کا مستحق بنے اور پھر اُس کی صفتِ رحمت و رافت اور احسان و کرم کا بھرپور ظہور ہو۔ اور جو کوئی بغاوت اور نافرمانی والی

مجرمانہ زندگی اختیار کرلے، اس کے لیے اُس خداوند قہار کی صفت عزت و جلال اور قدرت قاہرہ کا پورا پورا ظہور ہو اور اس کے لیے ضروری ہوا کہ انسانوں کو یہ معلوم ہو کہ اُن کے لیے اُن کے خالق و مالک کے کیا احکام ہیں اور کیا ہدایات ہیں، پھر اسی مقصد اور کام کے لیے نبوت اور پیغمبری کا سلسلہ جاری فرمایا گیا، جو شروع دنیا سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا ـــــ انبیاء علیہ السلام کے دو کام ہوتے تھے۔ ایک تو وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے لینا اور ـــــ دوسرا اُس ہدایت کو بندوں کو پہونچانا اور اُن کو اُس پر چلانے کی کوشش کرنا۔

پھر اب سے کوئی چودہ سو سال پہلے جب سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انسانی دنیا کے حالات اور نقشہ میں کچھ ایسی تبدیلیاں آچکی تھیں یا کہنا چاہیے کہ اتنی ترقی ہوچکی تھی کہ حکمت الٰہی کا یہ تقاضا تھا کہ اسی نبوت کو آخری نبوت قرار دے، اور آپ کے ذریعہ ایسی جامع اور کامل مکمل ہدایت دیدی جائے جو ہمیشہ کے لیے کافی ہو اور اس کا بھی انتظام کردیا جائے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ بالکل محفوظ رہے، اور پھر کسی نئی وحی اور ہدایت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ چنانچہ ہمارا اور آپ کا اور سب مسلمانوں کا عقیدہ اور یقین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایسی ہدایت آگئی اور وہ بالکل محفوظ ہے اور محفوظ رہے گی اس لیے نبیوں کا پہلا والا کام ختم ہوگیا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی کہ کسی نبی پر ہدایت کی وحی آئے، بس دوسرا کام باقی رہ گیا یعنی خداوندی ہدایت کو بندوں تک پہنچانا اور ان کو اس پر چلانے کے لیے کوشش اور محنت کرنا، یہ کام قیامت تک کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ذمہ کردیا گیا۔

اب یہ اُمت محمدیہ جس کے ہم اور آپ بھی فرد ہیں اس کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ دوسرے پیغمبروں کی امتوں کی طرح یہ بھی اللہ کے آخری پیغمبر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور اس کا فرض ہے کہ آپ کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت پر

چلے اور اس کی پیروی کرے ــــ اور اس کی دوسری حیثیت جو اس کا خاص امتیاز ہے وہ یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد یہ نبیوں والے اس کام کی ذمہ دار بھی ہے کہ دنیا بھر کے لوگوں کو وہ ہدایت پہونچائے اور اس پہ چلانے کے لیے نبیوں والی کوشش اور محنت کرے، اور اس طرح یہ امت کارِ نبوت میں نبیوں کی نائب بھی ہے۔ پھر اس ذمہ داری اور نیابت کا ایک عمومی درجہ ہے، جس کے لیے کسی خاص درجہ کے علم اور خاص معیار کی صلاحیت کی ضرورت نہیں، اس میں ہر ایمان لانے والے کا حصہ ہے۔ یہ عام مسلمانوں کا مقام ہے اور یہ بھی بڑا شرف ہے۔ اور ایک اس کا خصوصی درجہ ہے اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے جو علم وحی کے ذریعہ ملا تھا اور جو ہدایت اور شریعت ملی تھی، اپنی صلاحیت و استطاعت کے مطابق اس کو حاصل کیا جائے اور آپ کی خصوصی نیابت کا حق ادا کیا جائے ــــ یہ بہت بڑا درجہ ہے۔ یہ امت کے خواص کا مقام ہے۔ دراصل یہی لوگ وارثین انبیاء اور نائبین انبیاء ہیں۔

ہمارے یہ مدرسے دراصل وہ کارخانے تھے جن میں قرآن و حدیث اور دوسرے دینی علوم کی تعلیم دے کر ایسے لوگ تیار کیے جاتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصی نیابت و وراثت کی ذمہ داری سنبھالتے اور اس کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لیتے اور اسی کے لیے وقف ہو جاتے ــــ میرے بھائیو! آپ کا اصل مقام اور منصب یہی ہے اور ہمارے ان مدرسوں کی اصل غرض و غایت یہی تھی۔

قرآن مجید میں کئی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اُن کی والدہ (اِمْرَأَةُ عِمْرَانَ) نے بچہ پیدا ہونے کی "امید" محسوس کی (اور انھیں غالباً کچھ آثار اور قرائن سے یہ گمان تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا) تو انھوں نے نذر مانی اور کہا کہ یا اللہ میں نے پیدا ہونے والے بچے کو تیرے لیے وقف کر دیا۔ قرآن پاک میں

اُن کی نذر کا ذکر اس طرح ہے۔ "رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ" ـــــــ

بنی اسرائیل میں یہ دستور اور رواج تھا کہ اللہ کے نیک بندے اور نیک بندیاں اپنے نومولود بچوں کو اللہ کے لیے وقف کر دیتے تھے، اُن کو مُحَرَّر کہا جاتا تھا (یعنی اللہ کے لیے آزاد چھوڑا ہوا) مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے اپنے اس بچہ کو خدا کی نذر کر دیا۔ اب یہ کوئی کاروبار اور دھندا نہیں کرے گا۔ شادی بیاہ بھی نہیں کرے گا، گھر بھی نہیں بنائے گا، بیوی بچوں کی ذمہ داری سے بھی آزاد رہے گا، بس خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت کرے گا۔

ـــــــ امام ابوبکر جصاص رازی نے اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اولاد کو خدا کی نذر کرنے اور وقف کرنے کا یہ طریقہ شریعت محمدی میں بھی ہے، لیکن اس کی شکل شریعت محمدی کے مزاج کے مطابق بدل دی گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جن بندوں کو توفیق ہو وہ اپنے بچہ کے متعلق نیت کر لیں کہ ہم اس کو خدا کے لیے اور اس کے دین کی خدمت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ یہ علم دین حاصل کرنے کے لیے اور دین کی خدمت کے لیے وقف ہو گا ـــــــ پھر وہ بس خدا کا ہو جائے گا اور دین کی خدمت اور اللہ کی رضا جوئی اور عبادت اس کی زندگی کا مقصد ہو گا لیکن ہماری شریعت میں وہ نکاح بھی کر سکے گا، کوئی معاشی مشغلہ بھی اختیار کر سکے گا لیکن اس کا مقصد زندگی اور اس کا اصلی کام بس دین کی خدمت ہو گا اسی کے لیے جینا مرنا ہو گا۔ ـــــــ تو میرے بھائیو! ہم آپ جو ان دینی مدرسوں میں پڑھنے آتے ہیں اُن کو در اصل اسی طرح کا "محرّر" ہونا چاہیے۔

میرا اندازہ ہے کہ آپ بھائیوں میں ایسے بہت کم ہوں گے جن کو اُن کے والدین یا سرپرستوں نے اس طرح سوچ سمجھ کے اللہ کی نذر اور وقف کیا ہو اور اسی نیت سے دین کی تعلیم میں لگایا ہو، لیکن اب آپ کو یہ موقع حاصل ہے کہ آپ خود اپنے لیے یہ نیت

اور یہ فیصلہ کرلیں اور اپنے کو خدا کی نذر اور اس کے دین کے لیے وقف کردیں ـــــ جس طرح آپ نماز کی نیت کرتے ہیں اور وہ نماز اللہ کے لیے ہو جاتی ہے، اسی طرح آپ پوری زندگی کے بارے میں نیت کرلیں کہ وہ ہم نے اللہ کے لیے اور دین کے لیے وقف کی، اب ہم اللہ کے لیے اور دین کی خدمت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا علم سیکھیں گے اور دین کی خدمت کریں گے، ہماری زندگی کا مقصد بس یہی ہوگا، اسی کے لیے ہمارا جینا مرنا ہوگا ـــــ (مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) تو آپ کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہو جائے گی، پھر آپ کا کھانا پینا اور سونا بھی اللہ کے راستہ میں ہوگا اور عبادت میں شمار ہوگا پھر آپ کی حیثیت یہ ہوگی کہ آپ "حزب اللہ" میں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں بھرتی ہوگئے۔

میرے بھائیو! خدا کے لیے سوچو دنیا میں اس سے بلند کوئی مقام اور مرتبہ نہیں ہے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ میں سے کچھ بھائیوں نے اگر ابھی تک اس بات کو نہیں سمجھا تھا تو اب وہ ذہن کی پوری صفائی کے ساتھ یہ نیت اور یہ فیصلہ کرلیں اور اپنے اپنے کو خود اللہ کے لیے اور دین کے لیے وقف کردیں۔ اور اگر آپ کی نیت میں خلوص اور سچائی ہے تو یقین کرلیں کہ اللہ نے آپ کو قبول کرلیا ہے۔

اس نیت اور فیصلہ کے ساتھ انشاء اللہ آپ کے اندر ایک بہت بڑی تبدیلی ہوگی، آپ کبھی بھی اس احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں گے جس میں ہمارے مدرسوں کے بہت سے طلبہ بلکہ بدقسمتی سے بعض علماء تک گرفتار ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس دنیا میں بڑے خسارے اور گھاٹے میں ہیں، عالم، مولوی ہونے کے بعد ہمیں کوئی بڑی نوکری نہیں مل سکتی، ہم دنیا کے عیش و آرام سے ہمیشہ محروم رہیں گے، ہمیشہ غریبی اور مفلسی کی تکلیفیں اٹھانا ہمارا مقدر رہے گی ـــ اگر آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم خدا کے ہوگئے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی خدمت کو ہم نے اپنا مقصد زندگی اور مشن بنا لیا ہے

اور ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ خدا نے ہم کو اس کی توفیق دے کر قبول فرما لیا ہے تو پھر ان شاء اللہ
کبھی آپ کو یہ احساس کمتری نہیں ستائے گا بلکہ آپ کا احساس یہ ہوگا کہ جو منصب آپ کا
ہے اور جہاں آپ پہونچنا چاہتے ہیں وہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی حاصل
نہیں ہے۔ پھر آپ کو وہ قلبی اطمینان اور روحانی سکون حاصل ہوگا جو خاص اللہ والوں کا حصہ
ہے۔ اور پھر آپ اپنی اس زندگی کو اور اس راستہ کی غربت اور افلاس کی تکلیفوں کو اللہ کے
لیے قربانی اور جہاد اور مجاہدہ سمجھیں گے۔ اس سودے کو بڑے نفع کا اور کامیابی کا سودا سمجھ کر
خوش ہوں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔ "فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ
الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔"

اس سے ہرگز میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ میں خدانخواستہ غرور اور تکبر آجائے
اور آپ اپنے کو خدا کا لاڈلا اور صاحب ولایت سمجھنے لگیں یہ تو اللہ کی نگاہ میں مردود ہو
جانے والی بات ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ آپ علم دین کی تحصیل اور خدمت دین کے کام
اور اس منصب اور ڈیوٹی کو اتنا بلند سمجھیں اور اس کے لیے اپنے کو وقف کردیں اور اللہ
سے دعا کرتے رہیں کہ وہ آپ کو قبول کرلے اور اس طبقہ میں شامل فرمالے اسی کے ساتھ
اپنی ذات کو قصوروار سمجھ کر ہمیشہ اللہ سے معافی مانگتے رہیں اور اس کے سامنے روتے رہیں
اور اس کے فضل و کرم سے امید بھی رکھیں ـــ تو اپنے بھائیوں سے میری سب سے پہلی
گزارش یا نصیحت یہی ہے کہ اگر آپ نے اب تک اپنے اس مقام و منصب کو نہیں سمجھا تھا
اور اس طرح کا کوئی فیصلہ اپنے بارے میں نہیں کیا تھا تو خدا کے لیے اب کرلیں اور اس وقت
اسی مسجد میں بیٹھے بیٹھے کرلیں۔ جس طرح ایک سکنڈ میں ایجاب و قبول کے بعد دو اجنبیوں میں
بیوی اور شوہر کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے اسی طرح آپ ایک سکنڈ میں اپنے دل سے یہ فیصلہ
کرکے اللہ کے ہوجاتے ہیں اور اللہ آپ کا ہوجاتا ہے۔ پھر آپ دیکھیں کہ اس کے بعد
آپ کے نظر و فکر میں کیسی تبدیلی اور معمولوں میں کیسی بلندی آتی ہے اور آپ کہاں

سے کہاں پہونچ جاتے ہیں ___ آج آپ اپنے کو نہ پہچاننے کی وجہ سے اور اپنے مقام ومنصب کو نہ جاننے کی وجہ سے اپنے کو بلکہ اپنے پورے طبقہ کو بالکل بے قیمت اور اس دنیا کے بازار میں نہ چلنے والا سکہ سمجھ کر افسردہ اور غمزدہ ہیں لیکن اگر آپ اپنے مقام منصب کو سمجھ کر اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرلیں جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں اور اپنے کو خدا کی نذر اور اس کے لیے وقف کردیں جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی والدہ نے کیا تھا تو پھر انشاء اللہ آپ کا احساس یہ ہوگا کہ ہماری قیمت خدا کے سوا کوئی ادا ہی نہیں کرسکتا ہے۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

اسی کے ساتھ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں، ایسا یقین جس کی بناء پر مجھے قسم کھانا جائز ہے کہ آپ میں سے جو عزیز بھائی سچے دل سے یہ فیصلہ کرلیں گے اور استقامت کے ساتھ اس کی شرطیں پوری کریں گے وہ دیکھیں گے کہ ان پر انشاء اللہ اس دنیا میں بھی اللہ کا فضل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اُن راستوں سے عطا فرمائیں گے جن کا انھیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔ جو اللہ کا ہوجاتا ہے تو اللہ بھی اس کا ہوجاتا ہے "مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ"

میں اس موقع پر خود اپنی مثال آپ کے سامنے رکھنے میں مضائقہ اور حرج نہیں سمجھتا، میرا اصل وطن یوپی میں سنبھل (ضلع مرادآباد) ہے۔ یہ سنبھل اصطلاحی اور قانونی حیثیت سے تو قصبہ اور سب ڈویژن ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے بڑا شہر ہے ایک لاکھ سے اوپر آبادی ہے۔ اب سے ۶۰، ۷۰ سال پہلے میرے والد ماجد اس قصبہ کے رئیسوں اور دولتمندوں میں شمار ہوتے تھے ان کے لیے اس کی پوری گنجائش تھی کہ اپنی اولاد کو انگریزی کی اعلیٰ تعلیم دلاتے، لیکن انھوں نے نیت کر رکھی تھی کہ جہاں تک ممکن ہوگا وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائیں گے تاکہ آخرت میں اُن کے کام

آئے ـــــ اتفاق کی بات ہے کہ میری عمر جب ۱۲، ۱۳ سال کی ہوگی تو ہمارے ضلع میں ایک
انگریز کلکٹر آگیا، معلوم نہیں کیوں والد صاحب سے وہ بہت تعلق رکھتا تھا، اُسے جب
معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے کسی بچہ کو انگریزی تعلیم نہیں دلائی تو اس نے والد صاحب
کو خود ترغیب دی اور میری عمر وغیرہ معلوم کر کے خاص طور سے میرے بارے میں کہا
کہ اس کو کل ہائی اسکول بھیجدو، یہ پانچ سال میں انٹرینس کرلے گا اور میں اس کو نائب
تحصیلداری دیدوں گا ـــــ اُس زمانہ میں نائب تحصیلداری بہت بڑی چیز تھی، اُس
سے ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا اور یہی..
ہندوستانیوں کی معراج تھی۔ کلکٹر تو عام طور سے اس دور میں انگریز ہی ہوتے تھے ـــ
لیکن والد صاحب کی روح پر خدا کی بے شمار رحمتیں ہوں وہ کلکٹر کے اس کہنے پر بھی مجھے
انگریزی پڑھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے، جب اُن کے بعض مخلص احباب کو یہ بات معلوم
ہوئی تو انھوں نے بہت اصرار سے اُن سے کہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے
اور اس کو ضرور اسکول میں داخل کر دینا چاہیے! ـــــ والد صاحب نے آخر میں
اُن سے فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ مجھے اطمینان اور یقین ہے کہ جب تک میں زندہ ہوں
مجھے اپنی اولاد کی کمائی کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ انشاء اللہ میں خود اُن کو کھلاتا رہوں گا۔
ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی کہ اُن کی کمائی مجھے ملے اس لیے میں تو اُن کو
وہی پڑھاؤں جو قبر میں میرے کام آئے ـــ تو انھوں نے مجھے اس نیت سے علم دین
کی تعلیم دلائی تھی کہ میں بس دین کی خدمت کروں اور وہ آخرت میں اُن کے کام آئے
وہ میری طالب علمی کے زمانہ کے بعد بھی مدت تک میری ضروریات کے لیے باقاعدہ
تنخواہ دیتے رہے، بلکہ زندگی بھر مجھ پر خرچ کرتے رہے ـــــ میرے نزدیک اُن کی نیت
اور اُن کے اخلاص ہی کا یہ صدقہ ہے کہ اس دنیا میں بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے
حالانکہ خود دولتمند نہیں ہوں، زکوٰۃ بھی کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی نہیں لیکن بہت سے

دولتمندوں کو بھی وہ راحتیں اور نعمتیں نصیب نہ ہوں گی جو میرے مالک نے مجھے نصیب فرمائی ہیں، ہوائی جہازوں میں اڑتا ہوں، کاروں میں سفر کرتا ہوں حالانکہ خود میرے پاس تو سائیکل بھی نہیں ہے۔ الحمدللہ زندگی کی سب ضرورتیں اللہ تعالےٰ کے فضل سے پوری ہوتی ہیں، اور بہت اچھے طریقے سے پوری ہوتی ہیں۔ اگر ڈپٹی کلکٹر بلکہ کلکٹر بھی ہو جاتا تو ایسی زندگی مجھے نصیب نہ ہوتی یہ سب میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نیت اور اخلاص کا صدقہ ہے۔ اور یہ دولتمند نہ ہونا بھی اُن ہی کی دعا کا صدقہ ہے۔ وہ حج کو تشریف لے گئے، واپسی پر مجھ سے تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرے لیے کچھ نہیں لایا ہوں، ہاں ایک دعا میں نے تیرے لیے کی ہے اور انشاءاللہ وہ قبول ہو گی اور وہ یہ کہ تیرے پاس کبھی دولت نہ ہو۔ اور تجھے کبھی تکلیف نہ ہو۔ یہ بات اب سے قریباً چالیس سال پہلے کی ہے، اب تک اللہ تعالےٰ کا معاملہ میرے ساتھ بالکل یہی ہے کہ دولت میرے پاس کبھی نہیں ہوئی اور الحمدللہ ہمیشہ راحت نصیب رہی، کبھی وہ تکلیف نہیں ہوئی جو غربت و افلاس کی وجہ سے ہوتی ہے اور میں اس پر دل سے راضی ہوں۔

تو میرے عزیز بھائیو! میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر اب تک آپ نے اپنے کو اللہ کی نذر کر دینے اور دین کی خدمت کے لیے وقف کر دینے کی نیت نہیں کی ہے تو اب اللہ سے یہ معاملہ کر لیجئے اور پھر اپنے آپ کو اس کے مطابق بنا لیجئے میں قسم کھا کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر اللہ تعالےٰ کا بھی آپ کے ساتھ خاص معاملہ ہوگا جس کا اصل ظہور تو آخرت میں ہوگا جو دارالجزاء ہے لیکن اس دنیا میں بھی آپ پر کھلا فضل ہوگا۔ غالباً ہمارے ضعف اور ہماری بے کسی، بے بسی اور ہمارے ماحول کی ناموافقت اور خرابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ معاملہ برابر اس دور میں تجربہ اور مشاہدہ میں آرہا ہے کہ جس نے کو اس کا بنا دے۔ اللہ تعالےٰ اس کی کریمانہ کفالت فرماتا ہے اور اپنے بندوں کے دلوں کو بھی اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے، کوئی اس کا بن کے تو دیکھے! ـــــ تو میری پہلی

گزارش اور پہلی نصیحت ان دینی مدرسوں میں پڑھنے والے آپ بھائیوں کو یہی ہے کہ آپ اپنے مقام ومنصب اور علم دین کے مقصد اور اس کی عظمت کو سمجھیں اور اگر اس راستہ پر چلنا چاہتے ہیں تو ذہنوں کی پوری صفائی کے ساتھ سوچ سمجھ کر اور نیت کرکے اس راستہ کو اپنائیں اور اپنے آپ کو خدا کی نذر کردیں اور طے کرلیں کہ آپ کو اپنی پوری زندگی اور پوری صلاحیتیں اور توانائیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا علم حاصل کرنے پر اور اس کے ذریعہ دین کی خدمت پر لگادینی ہیں اسی کے لیے آپ کا جینا اور مرنا ہے —— پھر آپ اس نیت اور اس فیصلہ کی تجدید بھی کرتے رہیں میں تو عرض کروں گا کہ روزانہ ایک وظیفہ کے طور پر اس کا مراقبہ کیا کریں کہ میں نے اپنے کو اللہ کی نذر کردیا ہے اور علم دین اور خدمت دین کے لیے وقف کردیا ہے اور دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے اور ہمیں قبول فرمائے۔

اس کے بعد میری دوسری نصیحت یا دوسرا مشورہ آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ یہ علم اور خدمت دین کی توفیق اسی کو حاصل ہوتی ہے جو فکر کے ساتھ اس کے لیے وہ محنت کرے جو اس کا حق ہے۔ یہ مدرسوں کے قاعدوں ضابطوں کے مطابق بس اسباق پڑھ لینا اور امتحان دیکر سند حاصل کرلینا یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا علم اور آپ کے والے کام میں آپ کی نیابت تو وہ عظیم نعمت ہے اور آپ کی وہ بیش بہا میراث ہے جس کے لیے سچے عاشقوں کی سی لگن اور محنت اور قربانی ہونی چاہیے۔ آپ کے اندر یہ عاشقانہ کیفیت اور لگن جب ہی پیدا ہوگی اور آپ عاشقوں والی محنت اور قربانی جب ہی کرسکیں گے جب آپ کو اس کا پورا شعور ہوگا کہ آپ کتنی بڑی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس شعور کے بعد اور اس عاشقانہ کیفیت کے بعد آپ کی حالت کچھ اور ہوگی   آج ان مدرسوں کی وجہ

سے علم حاصل کرنا بیحد آسان ہو گیا ہے، ایک زمانہ وہ تھا کہ اللہ کے بندے اس علم کی طلب میں ملکوں ملکوں مارے مارے پھرتے تھے، ریل گاڑی نہیں تھی، موٹر نہیں تھے، ہوائی جہاز نہیں تھے، پیدل یا اونٹ پر سیکڑوں میل کا سفر کرتے تھے، علم دین کے عشق نے اللہ کے بندوں کے لیے یہ سب آسان کر دیا تھا، اور خود ہمارے قریبی بزرگوں میں ایسی مثالیں موجود ہیں، جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس علم کو کیسی عاشقانہ کیفیت کے ساتھ حاصل کیا تھا، میں نے اپنے بعض بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ دہلی میں حدیث پڑھتے تھے۔ دہلی علم حدیث کا مرکز تھا۔ اس زمانہ میں وہاں ایسے مدرسے نہیں تھے، جیسے آج ہیں، جن میں ہماری تمام ضرورتوں کا انتظام ہے، اس زمانہ میں طالب علموں کو کڑوے تیل سے جلنے والا چراغ بھی نصیب ہوتا ہوتا تھا، تو ہمارے بعض بزرگ جو دہلی میں پڑھتے تھے، چاندنی راتوں تو چاند کی روشنی میں مطالعہ کرتے تھے اور جن راتوں میں چاندنی نہ ہوتی تو سڑکوں پر روشنی کے لیے جو سرکاری لالٹینیں ہوتی تھیں، ان کے پاس کھڑے ہو کر ان کی روشنی میں کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے ـــ ایسی تکلیفیں اور مشقتیں عشق کے بغیر نہیں اٹھائی جا سکتیں۔ اسی عاشقانہ محنت سے حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی جیسے علماء بنے تھے۔ مشہور مقولہ ہے آپ نے بھی سنا ہوگا اور بالکل صحیح ہے کہ "جب تم اپنے کو بالکلیہ اور سو فیصدی علم پر لگا دو گے تو علم کا کچھ حصہ حاصل کر سکو گے۔"

تو میرے بھائیو! میری دوسری نصیحت اور دوسرا مشورہ آپ حضرات کو یہ ہے کہ جو علم حاصل کرنا چاہتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیش بہا ورثہ اور ترکہ ہے، اس کے شایان شان محنت کرو۔ مدرسہ سے ضابطہ کی جو سند فراغ آپ کو ملتی ہے آپ خود بھی جانتے ہیں کہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، وہ علم حاصل کیجیے، جس کے بعد آپ خود مسلمان جائیں اور اس کا راستہ یہی ہے کہ اپنے کو عاشقوں کی طرح علم کی تحصیل میں جھونک دو!

اس کے بعد میری تیسری نصیحت یا تیسرا مشورہ آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ یہ علم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص ورثہ اور ترکہ ہے اور پھر کارِ نبوت میں آپ کی نیابت یہ اللہ تعالےٰ کی خاص الخاص نعمت ہے۔ یہ صرف محنت سے کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ دنیا کے دوسرے علوم و فنون ڈاکٹری، ریاضی، سائنس، فلسفہ وغیرہ اور ان میں مہارت و حذاقت سب محنت اور ذہانت سے حاصل ہو سکتے ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا علم جو ایک نور ہے اور پھر حضورؐ کی نیابت جو عظیم ترین منصب ہے اُس کے لیے محنت و ریاضت کے علاوہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ صحیح تعلق اور تقویٰ بھی شرط ہے اس لیے میں پورے خلوص اور پیار سے آپ عزیزوں سے کہتا ہوں کہ اپنی زندگی کو اللہ سے تعلق والی اور تقویٰ والی زندگی بنائیے۔ اللہ سے تعلق کا خاص ذریعہ عبادات مثلاً نماز اور تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ وغیرہ ہیں۔ لیکن یہ شرط ہے کہ نماز اور تلاوت اور ذکر کی صرف صورت نہ ہو بلکہ حقیقت ہو اور اُس میں روح ہو ——

مجھے یقین کرنا چاہیے کہ آپ سب حضرات نماز پڑھنے والے ہیں۔ میں کئی دن سے گجرات کے مدرسوں کا دورہ کر رہا ہوں جہاں بھی میں نے رات گزاری قریباً ہر جگہ اور ہر مدرسہ میں دیکھا کہ ہمارے طلباء فجر کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھکر بڑی خوشی ہوئی، لیکن یہ بات خود آپ کے سوچنے کی ہے کہ کیا آپ کی نماز اور آپ کی تلاوت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ حدیث اور تفسیر پڑھنے والے طلباء کی ہونی چاہیے؟ —— اگر ایسا ہی ہے تو بہت ہی مبارک ہے، لیکن میرا خیال ہے اور تجربہ یہ ہے کہ عام طور سے ہمارے طلباء کی نماز اور تلاوت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہمارے عام مسلمانوں کی ہوتی ہے جو ثنا (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ) اور الحمد شریف اور قل ہو اللہ شریف اور "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" اور "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" کسی چیز کے بھی معنی نہیں جانتے —— میرے بھائیو! آپ نے مشکوٰۃ شریف میں حدیث پڑھی ہوگی —

"انه اذا اقام احدکم یصلی فانه یناجی ربه" یعنی جب

اللہ کا کوئی بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ کے حضور میں اور اُس سے
ہمکلام ہوتا ہے اور اُس سے اپنے دل کی باتیں کرتا ہے ۔ اسی طرح آپ نے وہ حدیث
بھی پڑھی ہوگی جس میں فرمایا گیا ہے کہ جب بندہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو ہر آیت
پر اللہ تعالےٰ اس کو جواب دیتا ہے جب وہ بندہ کہتا ہے " الحمد للہ رب العٰلمین "
تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " حمدنی عبدی " اور جب بندہ کہتا ہے " الرحمٰن الرحیم "
تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " اثنی علیّ عبدی " اور جب کہتا ہے " مالک یوم الدّین "
تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے " مجّدنی عبدی " آگے پوری حدیث آپ کو یاد ہوگی ۔ تو خدا
کے لیے سوچیے کہ جن بھائیوں نے یہ حدیثیں پڑھی ہیں اور وہ اس درجہ کو پہونچ گئے ہیں اور
ان کی تعلیم اتنی ہو گئی ہے کہ نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ اس کا مطلب جانتے ہیں اور
اس کے باوجود ان بیچارے عام مسلمانوں کی طرح جو ایک آیت کا بھی مطلب نہیں سمجھتے
توجہ الی اللہ سے اور معنی مطلب سے غافل ہو کر نمازیں پڑھتے ہیں تو سوچیے
کہ یہ اُن کے لیے کتنے بڑے خسارے کی بات ہے اور وہ اپنے ساتھ کیسا ظلم کرتے ہیں
اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص کی جیب میں ہزاروں لاکھوں کے نوٹ بھرے ہیں اور
وہ انھیں ردی کاغذ سمجھ کر اُن سے کام نہیں لیتا میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالےٰ نے
آپ کو وہ علم نصیب فرمایا ہے کہ جس وقت آپ نماز کے لیے اللہ کی حضور میں کھڑے ہوں تو
" انہ یناجی ربہ " کی کیفیت کے ساتھ نمازیں پڑھیں ، اور جب زبان سے عرض
کریں الحمد للہ رب العٰلمین " تو آپ کا دل اللہ کی طرف سے " حمدنی عبدی "
کی آواز سنے اسی طرح " الرحمٰن الرحیم " اور " مالک یوم الدّین " کہیں تو آپ کا
دل " اثنی علیّ عبدی " اور " مجدنی عبدی " کی آواز سنے اور ایاک
نعبد وایاک نستعین " کہیں تو ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی
ماسأل کی بشارت سنے ۔ اسی طرح جب تلاوت کریں تو آپ کو یہ دھیان ہو کہ

اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میری تلاوت سُن رہا ہے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اللہ کیا ارشاد فرما رہا ہے پھر جب وہ آیتیں آئیں جن میں اللہ تعالےٰ کے فضل اور رحمت کا یا جنت کا ذکر ہو تو اللہ سے اس کے لیے دعا کریں اور جہاں اللہ تعالےٰ کے قہر و جلال کا اور دوزخ کا ذکر آئے تو وہاں اللہ تعالےٰ سے پناہ مانگیں آپ حضرات نے پڑھا ہوگا کہ حضورؐ کا یہی طریقہ تھا۔

تو میرے بھائیو! اگر آپ صرف اتنا ہی کرلیں کہ نماز اس طرح پڑھیں جس طرح آپکو پڑھنی چاہیے اور تلاوت اس طرح کریں جس طرح ہونی چاہیے تو اللہ تعالےٰ کا تعلق حاصل ہونے کے لیے انشاءاللہ اتنا بھی کافی ہے اور اگر اس کے ساتھ تھوڑے سے ذکر و تسبیح کی بھی عادت ہو جائے تو پھر تو انشاءاللہ نور ہی نور ہے خدا کے لیے اس راستہ پر چل کر دیکھو پھر دیکھو خدا کی طرف سے کیا معاملہ ہوتا ہے؟ میرے بھائیو! یہ ولایت کا راستہ ہے اور دوسروں کی بہ نسبت آپ کے لیے بہت آسان ہے۔

شاید آپ نے اپنے حضرات اساتذہ اور بزرگوں سے سُنا ہو کہ ہمارے اکابر حضرت گنگوہی وغیرہ طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے جب تک وہ فارغ نہ ہو جائیں۔ ان کو سلوک کے ذکر شغل میں مشغول ہونے سے منع کرتے تھے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے خود اپنا واقعہ لکھا ہے کہ میں نے طالبعلمی کے زمانہ میں حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ شیطانی وسوسہ ہے یعنی وہ علم نبوی کے شغف و انہماک سے ہٹا کر دوسری طرف لگا دینا چاہتا ہے تاکہ علم ناقص رہ جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس زمانے میں خاص کر ہمارے علمی حلقہ میں اس بیعت کا رواج نہیں تھا جو ہمارے زمانے میں چل پڑا ہے کہ بزرگوں سے بس بیعت ہو جاتے ہیں کرنا کرانا کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو بیعت ہوتا تھا وہ سلوک کے مشاغل شروع کر دیتا تھا تو اگر حضرت تھانویؒ جیسے حضرات طالبعلمی کے زمانہ میں بیعت ہوتے تو سلوک کے اذکار

واشغال کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا اور پھر ذکر کے آثار و انوار اور واردات اور کیفیات کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ علم کی طرف توجہ کم ہو جاتی، جب آدمی ذکر کی لائن پر چل پڑتا ہے تو اس کے لیے اس سے زیادہ لذیذ اور مرغوب کوئی چیز نہیں ہوتی تو پھر وہ اسی کا ہو جاتا ہے پھر وہ ہدایہ، اور توضیح تلویح اور بیضاوی اور امور عامہ اور خیالی جیسی مشکل اور خشک کتابوں میں مغز زنی نہیں کر سکتا اس کی دنیا ہی بدل جاتی ہے ___ تو اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ طالب علمی کے زمانہ میں بیعت ہو کر سلوک کے ذکر شغل میں لگ جاتے تو بس ایک بزرگ ... ہو کے رہ جاتے علم کا وہ مقام ہرگز حاصل نہ ہوتا جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، وہ حکیم الامت مجدد الملۃ نہ ہوتے اور وہ سیکڑوں اصلاحی تصانیف امت کو نہ ملتیں جو انشاء اللہ صدیوں تک امت کی رہنمائی کرتی رہیں گی ___ تو میرے خیال ہوا یہ ہے اکابر حضرت گنگوہی وغیرہ طالب علموں کو اس لیے بیعت نہیں فرماتے تھے کہ ذکر شغل میں لگ کر وہ علم سے نہ رہ جائیں ___ یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ طالب علموں کو تعلق باللہ کی، اور تقوے اور اصلاح کی ضرورت نہیں، ___ اس زمانہ میں مدرسوں کی یہ بہتات اور بھرمار نہیں تھی، دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا بھی ابتدائی دور تھا اور ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ اس وقت کا حال یہ تھا کہ دار العلوم کا دربان بھی صاحب نسبت ہوتا تھا، وہاں کی پوری فضا تعلق باللہ اور تقوے کی فضا تھی اور طالب علمی کے زمانہ میں جس درجہ کا تعلق باللہ اور جس درجہ کا تقویٰ اور جس درجہ کی اصلاح ضروری ہے وہ مدرسہ میں رہ کر آپ سے آپ نصیب ہو جاتا تھا۔

میرے ایک استاد تھے حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ وہ میرے اساتذہ میں اس لحاظ سے میرے سب سے بڑے محسن ہیں کہ زیادہ تر درسی کتابیں میں نے انھیں سے پڑھیں، وہ میرے تعلیمی سرپرست بھی تھے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا تھا میں نے ۴ سال ان سے پڑھا اور ان کے ساتھ اس

طرح رہا کہ ان ہی کے کمرہ میں رہتا اور سوتا تھا۔ انھوں نے صرف آخر کے دو سال دار العلوم دیوبند میں پڑھا تھا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی کفایت اللہؒ کے ہم سبقوں میں تھے۔ حالانکہ انھوں نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی زمانہ پایا لیکن مجھے معلوم نہیں کیوں انھوں نے سلوک اور ذکر شغل کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اس لیے کسی بزرگ سے بیعت بھی نہیں کی لیکن دار العلوم میں صرف پڑھنے اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ اساتذہ کی صحبت و محبت کی برکت سے وہ تقویٰ نصیب تھا کہ اگر ہمیں نصیب ہو جائے تو سب کچھ ہے ـــــ

لیکن اب ہمارے مدرسوں کی فضا وہ نہیں رہی کہ تقوے اور اصلاح کے لیے اور تعلق باللہ کے لیے مدرسہ میں رہنا اور پڑھنا کافی ہو۔ آج مدرسوں کی جو فضا ہے وہ میرے آپ کے سب کے سامنے ہے۔ اس لیے خود حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء اور ان کے خلفاء کے خلفاء نے اپنا رویہ بدل دیا اور طالب علموں کو بھی بیعت فرمانے لگے۔ اس لیے میں آپ کو خلوص سے اور اصرار سے مشورہ دیتا ہوں کہ اسی طالب علمی کے زمانہ میں کم از کم نماز اور تلاوت اور تقوے سے ذکر کا خاص اہتمام کیجیے۔ اگر آپ اس معاملہ میں غفلت کریں گے تو اگرچہ آپ پڑھیں گے بخاری اور مسلم اور جلالین اور بیضاوی لیکن شیطان آپ کو اپنا بنالے گا ـــــ میرے بھائیو! ایک بات پتہ کی کہتا ہوں یہ جو ہماری طالب علموں یا علماء کی جو برادری ہے اس کے لیے دو ہی راستے ہیں یا ہم اللہ والے ہوں گے اور یا خدانخواستہ پھر شیطان کے ہوں گے ہمارے لیے بیچ کا راستہ نہیں ہے اس لیے میں کہتا ہوں کہ ابھی سے اللہ سے تعلق پیدا کرو اور تقویٰ اختیار کرو یعنی جن باتوں کو اللہ نے گندہ اور گناہ قرار دیا ہے ان سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرو، اللہ کا تعلق اور اللہ کی رضا نصیب ہونے کی یہ خاص شرط ہے ـــــ اللہ تعالیٰ بڑا غیور ہے اگر کوئی شخص گندگیوں اور گناہوں اور ان باتوں سے بچنے کی فکر نہیں کرتا جو خدا کو ناراض کرنے والی ہیں تو وہ اپنے لیے خدا کی رحمت اور مقبولیت کے دروازے بند کر لیتا ہے ـــــ میرے بھائیو! آپ کا منصب نبوت کی وراثت اور نیابت کا منصب ہے۔ آپ

کو اس کے لیے اپنے کو تیار کرنا ہے۔ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو گندہ اور حرام قرار دیا، جہاں تک ہو سکے اپنی زندگی کو اُن سے پاک رکھا جائے (لا یمسہ الا المطہرون)

یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایک تو بندہ کا یہ حال ہے کہ وہ سچے دل سے ارادہ اور عزم کر لیتا ہے کہ گناہ سے بچے گا لیکن نفس کے فریب اور شیطان کے بہکانے سے وہ کبھی اُس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر جب اللہ کی توفیق سے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو اللہ کے سامنے روتا ہے، توبہ کرتا ہے اور معافی مانگتا ہے، تو یہ تو انشاء اللہ بالکل مضر نہیں ہے، بلکہ زندگی میں بار بار ہو جب بھی مضر نہیں ہے لیکن شرط یہ ہے کہ توبہ اور استغفار سچے دل سے ہو، اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے (قرآن مجید میں ایسے ہی بندوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے۔ "والذین اذا فعلوا فاحشۃً اوظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علیٰ ما فعلوا وھم یعلمون"[1] آگے ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت کی بشارت سنائی گئی ہے)

بلکہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ بعض بندے وہ ہوتے ہیں جن کی اسی راستہ سے ترقی ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ سرزد ہو جانا

---

[1] آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن بندوں کا حال یہ ہے کہ جب اُن سے کوئی گندی معصیت سرزد ہو جاتی ہے یا کوئی گناہ مجرمانہ ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کر کے رنجیدہ اور پشیمان ہوتے ہیں اور اللہ سے گناہوں کی معافی اور بخشش کی استدعا کرتے ہیں (اور گناہوں کا بخشنے والا بس اللہ ہی ہے) اور جو گناہ اُن سے ہو گیا اُس پر دانستہ اصرار نہیں کرتے (یعنی آئندہ اُس سے باز رہنے کا عزم کر لیتے ہیں) اُن کے لیے بھی اللہ کی طرف سے مغفرت اور جنت کا وعدہ ہے (آلِ عمران ع ۱۴)

پھر اُس کے رنج وغم سے اُن کا دل ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اللہ کے حضور میں خوب روتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں اُس سے اُن کے درجات میں وہ ترقی ہو جاتی ہے جو عبادتوں سے نہیں ہو سکتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کا یہ حال کہ وہ گناہوں سے بچنے کا ارادہ اور عزم کرے لیکن نفس کے فریب یا شیطان کے بہکانے سے یا کسی وقتی خراب جذبہ سے اُس سے گناہ ہو جائے اور پھر اُسے رنج وغم ہو اور وہ سچے دل سے توبہ اور استغفار کرلے یہ حالت مضر نہیں ہے بلکہ مقام ولایت کے منافی بھی نہیں ہے۔ معصوم تو صرف انبیاء علیہم السلام اور اللہ کے فرشتے ہیں۔ ہاں یہ چیز اللہ تعالےٰ کو ناراض کرنے والی اور اس کی رحمت اور مقبولیت سے محروم کر دینے والی ہے کہ بے فکری اور بے باکی سے گناہ ہوں اور معصیتیں عادت بن جائیں۔

میرے عزیز بھائیو! خدا کے لیے اپنے آپ کو بچاؤ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو چکے ہو، آپ کے لشکر کے سپاہی ہو، حضورؐ کی نیابت و وراثت کی ذمہ داری سنبھالنے کی تیاری کر رہے ہو، ایسی صورت میں اگر تم بھی دنیا کے عام آوارہ لوگوں کی طرح گناہوں اور معصیتوں سے دلچسپی رکھو، تم بھی سینما دیکھو اور بدنظری کے ساتھ سڑکوں پر آوارہ گردی کرو معاف کرنا تمہاری مثال اُس شہزادہ کی ہے جو کسی سڑی ہوئی بھنگن یا چماری سے لگاؤ رکھے ___ اگر اللہ تعالےٰ حقیقت دیکھنے والی نگاہ عطا فرمائے تو اس زندگی کے ساتھ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ قرآن شریف یا بخاری شریف کو ناپاک غلاف میں رکھنا ___ میں پھر کہتا ہوں اپنے کو بچاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نسبت کو صحیح کرو!

بہت سے عزیز بھائی اس طرح سوچتے ہیں یا شیطان اُن کے دل میں ڈالتا ہے کہ ابھی عمر ہی کیا ہے ابھی تو ہمارے کھیلنے کودنے کے اور دنیا کے مزے چکھنے کے دن ہیں ابھی تو طالب علمی ہے آگے چل کر ہم بھی اپنے بزرگوں والی زندگی اختیار کرلیں گے ___ آپ خود ہی سوچیں کہ یہ آپ کا اپنے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے ___ میرے عزیزو! مثال اچھی

نہیں ہے لیکن بات بالکل سچی ہے کہ بڑھاپے میں تو سنا ہے زندیاں بھی توبہ کر کے تسبیح ہاتھ میں لے لیتی ہیں ــــ آپ نے وہ حدیث پڑھی یا سنی ہوگی جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ سات اللہ کے بندے وہ ہیں جو قیامت کے دن' جب اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا' وہ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے' اُن میں ایک ہے۔ "شَابٌ نَشَأَ فِی عِبَادَۃِ اللّٰہِ" ــــــ (یعنی وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری میں بڑھا اور پروان چڑھا ــ یعنی جس نے شروع ہی سے عبادت اور تقوے والی زندگی اختیار کرلی) تو اگر اب تک آپ نے خیال نہیں کیا تھا تو اب حضور کی یہ حدیث سُن کر اپنے کو ایسا بنانے کا فیصلہ کر لیجئے' اور عرش الٰہی کے سایہ کا استحقاق بھی حاصل کر لیجئے! ــــ یہ وہ نعمت ہے جس کو آپ ہی اس وقت کے فیصلے سے حاصل کر سکتے ہیں' میں اگر چاہوں تو حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ میری عمر تو اب ستر کے قریب پہونچ چکی ہے' اللہ تعالیٰ آپ عزیزوں کو توفیق دے کہ اس نوجوانی میں فیصلہ کر کے اُن خوش نصیبوں کی صف میں آجائیں جو قیامت کے سخت ترین دن میں عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے۔

اس کے بعد بس ایک آخری بات آپ بھائیوں سے اور عرض کرنا ہے خدا توفیق دے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب و وارث بننا ہے اور آپ کے والے کام کی ذمہ داری سنبھالنا ہے' اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو حضور سے خاص نسبت اور مناسبت حاصل ہو اور آپ کے خصوصی اور امتیازی اوصاف میں آپ کا حصہ ہو۔ میں نے اس پر بہت غور کیا ہے کہ حضور کی ذات پاک میں کس وصف کا غلبہ ہے؟ یوں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے ہی کمالات عطا فرمائے۔ "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" لیکن آپ کی زندگی اور آپ کے احوال میں غور کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کے اوصاف میں سب سے زیادہ غالب وصف دعا اور اللہ سے مانگنا ہے۔

دنیا میں کسی نے اللہ سے اتنا نہیں مانگا جتنا آپ نے مانگا اور ایسے سوز و گداز سے اور لاچاری و محتاجی کے ایسے شدید احساس اور الحاح کے ساتھ کسی نے نہیں مانگا جیسا آپ نے اللہ سے مانگا۔ حدیث کی کتابوں میں حضورؐ کی جو سیکڑوں دعائیں مروی ہیں آپ اُن کو غور سے پڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ہر دعا میں نیازمندی اور عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے یہ دعائیں آپ کا خاص الخاص ورثہ ہیں ۔۔۔ تو میرا آخری مشورہ یا آخری نصیحت آپ بھائیوں کو یہ ہے کہ ان دعاؤں سے خاص مناسبت پیدا کیجیے! ۔۔۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ دعا کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے لیے دعا کرنا ہو دل میں اُس چیز کی طلب اور حاجتمندی کا احساس ہو جس طرح پیاسے کو پانی کی طلب ہوتی ہے اور اللہ کے کرم پر اعتماد کرکے اس یقین کے ساتھ مانگے کہ وہ چیز بس اُسی کے خزانے میں اور اس کی قدرت میں ہے اور وہ اپنے کرم سے مجھ محتاج اور بھکاری کو عطا فرمائے گا۔

دعا اگر دل سے نہ ہو، بس زبان بول رہی ہو اور ہاتھ اٹھے ہوئے ہوں تو وہ دعا نہیں ہے، دعا صرف وہی ہے جو دل سے ہو۔ دعا دراصل دل کا عمل ہے زبان سے تو اس کا بس ظہور ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ ہاتھوں کا اٹھنا اور زبان سے دعا کے الفاظ کا نکلنا دعا کی صورت اور اس کی ظاہری شکل ہے۔ دعا کی حقیقت توجہ کے ساتھ دل کی طلب اور دل کا اللہ سے مانگنا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جب آدمی کو رنج و غم ہوتا ہے تو وہ روتا ہے، اُس کے منہ سے رونے کی آواز نکلتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں۔ لیکن یہ رونے کی آواز اور آنکھوں کے آنسو رنج و غم کی کی اصل حقیقت نہیں ہے بلکہ اسکی ظاہری شکل و صورت ہے اصل رنج و غم وہ ہے جو دل میں ہوتا ہے اور آنکھوں سے اور منہ سے اسکا صرف ظہور ہوتا ہے۔ آج ہماری عام حالت یہ ہے کہ کم از کم فرض نماز کے بعد ہم دعا کرتے ہیں اور بعض اوقات خوب دیر تک دعا کرتے ہیں لیکن یہ دعا صرف زبان کی اور ہاتھوں کی ہوتی ہے دل متوجہ نہیں ہوتا۔ بسا اوقات خود میرا یہی حال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حال درست فرمائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دعا نہیں ہے دعا کی صرف صورت ہے ۔۔۔ آپ ابھی سے اس کی عادت ڈالیے کہ آپ کی دعا اصلی دعا ہو،

اور حقیقی دعا ہو، دعا کی صرف شکل و صورت نہ ہو، خاص کر تنہائی میں دل کی پوری توجہ کیساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالیے اس سے ایمان کی حقیقت مانگیے، علم و معرفت مانگیے، نماز کی حقیقت اور تقویٰ مانگیے، دین کی خدمت کی توفیق مانگیے، تنہائیوں میں رو رو کے اور تڑپ تڑپ کے مانگیے، پھر دیکھیے اللہ تعالیٰ کا کیسا فضل ہوتا ہے ___ خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور دعاؤں سے مناسبت پیدا کیجیے، حدیث کی ہر کتاب میں کتاب الدعوات ہے جس میں مختلف موقعوں کی حضور کی سیکڑوں دعائیں جمع کر دی جاتی ہیں، یہ دعائیں حضور کا خاص الخاص ورثہ ہیں اور بڑا بیش بہا خزانہ ہے اور اس کی کنجی ہمارے آپ کے ہی پاس ہے جو ان مدرسوں میں حدیث کی کتابیں پڑھتے ہیں، افسوس ہمیں اس خزانے کے جواہرات کی قدر نہیں، اگر کوئی ایسا آلہ یا میٹر ہوتا جس سے آخرت کے لحاظ سے چیزوں کی قدر و قیمت جانچی جا سکتی تو معلوم ہو سکتا کہ حضور کی چھوٹی چھوٹی دعائیں دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ اس کی اس نعمت کی قدر جانیں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے اس عربی تعلیم اور ہمارے ان دینی مدرسوں کی برکت سے ہمارے لیے اس خزانے کا دروازہ کھول دیا ہے ___ ذرا حضور کی ان دعاؤں کے مضامین پر غور تو کیجیے! حضور کی ایک مشہور مختصر دعا ہے۔ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَخْشَاکَ کَاَنِّیْ اَرَاکَ اَبَدًا حَتّٰی اَلْقَاکَ وَاَسْعِدْنِیْ بِتَقْوَاکَ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ"[1]

اسی طرح ایک دوسری دعا ہے "اَللّٰھُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِیْ لِذِکْرِکَ وَارْزُقْنِیْ طَاعَتَکَ وَطَاعَۃَ رَسُوْلِکَ وَعَمَلًا بِکِتَابِکَ۔"[2]

---

[1] اے اللہ مجھے ایسا کر دے کہ میں ہر وقت تجھ سے اس طرح ڈروں کہ گویا ہر دم تجھے دیکھ رہا ہوں اور مجھے تقویٰ کی صفت عطا فرما کے نیک نصیب بنا دے اور ایسا نہ ہو کہ تیری نافرمانی کر کے بدبخت ہو جاؤں۔

[2] اے اللہ اپنے ذکر اور اپنی یاد کے لیے میرے دل کے کان کھول دے اور اپنی اور اپنے رسول پاک کی فرمانبرداری کی اور اپنی مقدس کتاب پر عمل کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما۔

ایک اور دعا یہ ہے۔ "اللّٰھم انی اسألک ایماناً دائماً واسألک قلباً خاشعاً واسألک ایماناً صادقاً واسألک دیناً قیماً واسألک العافیۃ من کل بلیۃ واسألک دوام العافیۃ واسألک الشکر علی العافیۃ واسألک الغنی عن الناس ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ۔"

ذرا ان دعاؤں کے مضامین پر غور تو کیجئے ان میں کیا کیا مانگا گیا ہے اور ان میں کیا روح بھری ہوئی ہے؟ ــــ اگر صحیح معنوں میں ان دعاؤں کو پڑھ کر ہم اپنی دعائیں نہ بنائیں تو ہماری بدقسمتی کی کوئی انتہا ہی نہیں رہے۔

تو میرے بھائیو! میری آخری نصیحت یا آخری مشورہ آپ عزیزوں کو یہ ہے کہ دعا اور اللہ سے مانگنا اور الحاح کے ساتھ مانگنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص الخاص صفت ہے اُس کو اپنی عادت بنائیے دل کی پوری توجہ کے ساتھ اور اللہ کے کرم پر بھروسہ کر کے اُس سے اپنی ہر طرح کی ضروریات مانگو وہ دنیا کی ضرورتیں بھی مانگو، آخرت میں رحمت اور جنت بھی مانگو، ایمان اور تقویٰ اور ذکر و عبادت کی حقیقت بھی مانگو، علم نبوی کی دولت بھی مانگو، اللہ اور اُس کے رسول پاک کی محبت بھی مانگو، اللہ تعالیٰ سب کچھ عطا فرمانے والا ہے۔ اُس نے کسی نعمت سے بڑے کمال پر مہر نہیں لگائی ہے۔ اُس نے ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ جو اگلوں کو دے دیا گیا وہ بعد والوں کو نہیں دے گا۔ امام رازی اور امام غزالی ہمارے سر کے تاج ہیں لیکن

لے اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا ایمان جو ہمیشہ قائم رہے اور ایسا قلب جو تیرے حضور میں جھکا رہے اور تجھ سے سائل ہوں ایمان صادق کا اور دین مستقیم کا اور تجھ سے سوال کرتا ہوں عافیت کا اور دوامِ عافیت کا اور عافیت کی نعمت پر شکر ادا کرنے اور اس بات کا کہ بندوں کا محتاج نہ بنوں اور ہر چیز اور ہر نعمت کا حاصل ہونا اور ہر شر اور مصیبت سے بچنا تیرے ہی فیصلہ اور کرم پر منحصر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ علم کا جو درجہ ان کو دیا گیا اب کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح اگلے زمانوں کے تمام اولیاء کرام ہمارے اکابر ہیں ہم اُن کے پاؤں کی خاک برابر بھی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا کہ ولایت کا جو مقام اُن کو دیا گیا تھا اب کسی کو عطا نہیں ہوگا بلکہ جو بندہ کوئی کمال اور کوئی درجہ حاصل کرنے کی اخلاص کے ساتھ جد و جہد کرے اور اس کی شرائط پوری کرے اور اللہ سے مانگے جیسا مانگنے کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ آج بھی عطا فرمائے گا۔

میرے عزیزو! تم سب کچھ بن سکتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے وہ سب کچھ لے سکتے ہو جو اس نے ہمارے اکابر و اسلاف کو عطا فرمایا تھا مگر شرط یہی ہے کہ اُن کے طریقہ پر چلو اپنے کو پہچانو، اپنے منصب، مقام اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اپنے اسلاف کی طرح طالب علم اور طالب دین اور طالب خدا بن جاؤ۔ اللہ و رسول کا علم حاصل کرنے کے لیے عشق والی محنت کرو، عبادت اور تقویٰ اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص تعلق پیدا کرو، اپنے اندر اتباع سنت کا ذوق پیدا کرو، حضور کی خاص الخاص صفت دعا اور اللہ سے مانگنے کو اپناؤ اور ماثورہ دعاؤں سے مناسبت پیدا کرو اور اُن کو اپنی دعا بنالو یہ دعائیں حضور کا چھوڑا ہوا بیش بہا خزانہ ہے، اس نعمت کی قدر کرو کہ اس خزانے کا دروازہ ہمارے لیے کھولا گیا ہے اور ہمیں اُن تک پہنچادیا گیا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! اس وقت جو کچھ میں نے آپ سے کہا وہی اپنے نفس کو بھی میری نصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق دے۔ میں قیامت میں اس پر نہ پکڑا جاؤں کہ تو دوسروں کو اچھی اچھی باتیں بتاتا تھا اور خود عمل نہیں کرتا تھا اور آپ اس پر نہ پکڑے جائیں کہ تم نے سب کچھ سنا اور عمل نہیں کیا۔ فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم اولوالالباب۔

(اللہ کے فضل و کرم سے خطاب ختم ہوا)

ہماری اہم مطبوعات

اسلام کیا ہے؟	دین و شریعت	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے	معارف الحدیث (چھ جلدیں)	تذکرہ مجدد الف ثانی
تجلیات ربانی	مکتوبات خواجہ محمد معصوم	حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس	
بیٹھے با اہل دل (ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب بھوپالی)	وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی	تذکرہ صوفی عبد الرب		
تصوف کیا ہے؟	کلمۂ طیبہ کی حقیقت	نماز کی حقیقت	برکات رمضان	[illegible]
منتخب تقریریں	دینی مدارس کے طلباء سے خطاب	میری طالب علمی	سفرنامہ حجاز	
حج کیسے کریں؟	آسان حج	حج میڈ ایزی	قرآن اینڈ ...	
[illegible]	... شہید پر معاندین اہل بدعت کے الزامات	بریلوی فتنہ کا نیا روپ	تاریخ میلاد	
...	کفر و اسلام کے حدود اور قادیانیت	قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ	اسلامیت زندہ ہے	

... کے لیے ہماری فہرست ... مفت طلب فرمائیں — (منیجر)

کتب خانہ الفرقان، ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ